بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

جب آپ پاکستان کے موجودہ معاشرے پر نگاہ ڈالیں گے تو یہ حقیقت سامنے آجائے گی کہ اس میں کوئی خاص پرزہ خراب نہیں جس کے بدلنے سے معاشرے کی اصلاح ہو جائے گی۔ یہ خرابی اس پورے نظام (Social Order) کی ہے جو یہاں کارفرما ہے۔ اس لئے ہمارے معاشرے کی اصلاح کی ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ یہاں موجودہ غیر قرآنی نظام کی جگہ قرآنی نظام متشکل کیا جائے۔ قرآنی نظام کی تفاصیل تو طول طویل ہیں لیکن اس کا ملخص یہ ہے کہ یہ نظام تمام افرادِ معاشرہ کی بنیادی ضروریات زندگی اور ان کی مضمر صلاحیتوں کی نشوونما کے سامان و ذرائع بہم پہنچانے کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ ''ذمہ داری'' کا لفظ خاص طور پر قابلِ غور ہے یعنی وہ نظام یہ کہہ کر فریب نہیں دے سکتا کہ ہم اس کے لئے کوشش کریں گے۔ وہ اس کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ بالفاظ دیگر اگر اس نظام میں کوئی ایک فرد بھی بھوکا رہ جائے یا اسے سامانِ نشوونما میسر نہ آئے تو وہ قرآنی نظام نہیں کہلا سکے گا۔ ظاہر ہے کہ اس عظیم ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لئے ضروری ہوگا کہ ملک کے تمام ذرائع پیداوار کا نظم و نسق خود اس نظام کے ہاتھوں میں ہو اور فاضلہ دولت (Surplus Money) کسی جگہ بھی جمع نہ ہونے پائے۔ یہ قرآنی نظام کی بنیادی خصوصیات ہوں گی۔ قرآن اس کے لئے جذبۂ محرکہ یہ بتاتا ہے کہ انسانی ذات (انا۔ خودی۔ نفس۔ ایغو Personality) کی نشوونما ہر اس شے سے ہوتی ہے جسے وہ فرد کسی دوسرے کی نشوونما کے لئے دیتا ہے۔ جب انسانی ذات کی نشوونما اس طرح ہو جائے تو وہ حیاتِ جاوید حاصل کر لیتی ہے اور اس طرح وہ مرنے کے بعد زندگی کے اگلی ارتقائی مراحل طے کرنے کے قابل ہو جاتی ہے۔

یہ تو ہوا مقصد۔ یعنی موجودہ نظام کی جگہ قرآنی نظام کا قیام۔ اب سوال یہ ہے کہ بحالات موجودہ اس مقصد کے حصول کا طریقہ کیا ہوگا۔ یعنی پاکستان میں اس قسم کا نظام کس طرح قائم ہوگا؟ پاکستان ایک آئینی مملکت ہے۔ اس لئے اس میں ایک نظام کی جگہ دوسرا نظام لانے کا طریق بھی آئینی ہی ہوگا۔ آئینی تبدیلی کے معنی یہ ہیں کہ ملک کی مجالسِ قانون ساز میں اکثریت

ان لوگوں کی ہو جو اس قسم کے نظام کو اپنے ایمان کا جزو سمجھتے ہوں۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ ملک کی ان مجالس میں (وہ مرکزی ہوں یا صوبائی) اراکین انتخاب کے ذریعہ آتے ہیں اور ان انتخابات میں آراء (Votes) کی اکثریت عوام کی ہوتی ہے۔ حالات کے اس تجزیے سے آپ نے دیکھ لیا کہ اس امر کا بنیادی اختیار عوام کے ہاتھ میں ہے کہ وہ ملک میں کس قسم کا نظام قائم کریں۔ لہٰذا عوام کا ان لوگوں کو موردِ الزام قرار دینا جو پہلے کسی قسم کا نظام قائم کر گئے ہوں یا اپنے لیڈروں کو کوسنا کہ وہ غلط راستے پر چل رہے ہیں۔ اپنے اختیارات سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔

لیکن کہا یہ جائے گا کہ عوام بچارے جاہل ہیں۔ ان کا سیاسی شعور بیدار نہیں۔ وہ صحیح اور غلط نظام کو سمجھ نہیں سکتے۔ وہ اچھے برے نمائندے میں تمیز نہیں کر سکتے۔ وہ اس قدر غریب اور مفلس ہیں کہ روٹی کا دھندا انہیں کسی دوسری طرف توجہ ہی نہیں کرنے دیتا۔ معاشی مجبوریوں نے انہیں اس قدر کچل دیا ہے کہ انہیں ملک کے آئینی اور سیاسی معاملات میں دلچسپی ہی نہیں رہی۔ نیز جیسا کہ قرآن نے خود کہا ہے کہ مفاد پرست گروہ اس قسم کی سازشیں اور تدبیریں کرتا رہتا ہے جن سے عوام کا شعور بیدار ہی نہ ہو۔ تو اب کیا جائے تو کیا کیا جائے؟

یہ ظاہر ہے کہ جب تک آپ کے ہاں جمہوری نظام ہے اس وقت تک عوام کے تعاون کے بغیر کوئی آئینی انقلاب رونما ہو نہیں سکتا لہٰذا عوام میں صحیح نگاہوں کا پیدا کرنا معاشرہ کی اصلاح کے لئے لاینفک ہے۔ اس کے بغیر آپ قیامت تک بھی کوئی تبدیلی پیدا نہیں کر سکتے۔

اور یہ بھی ظاہر ہے کہ مفاد پرست گروہ کی انتہائی کوشش یہ ہوگی کہ عوام میں صحیح نگاہ پیدا نہ ہو سکے۔ لہٰذا عوام میں صحیح نگاہ پیدا کرنے کی ذمہ داری ان پر عائد ہوتی ہے جو

(i) خود قرآنی نظام سے واقف ہوں اور اس کے قیام کے لئے مضطرب و بے قرار ہوں۔ اور

(ii) جن کے سامنے اپنا مفاد کوئی نہ ہو۔

پاکستان میں قرآنی نظامِ ربوبیت کی نشاندہی طلوع اسلام نے کرائی ہے۔ اس لئے وہی طبقہ اس نظام سے اچھی طرح باخبر ہے جو طلوع اسلام اور اس کے شائع کردہ لٹریچر کو اپنے دل کی گہرائیوں میں اتار چکا ہے۔ ہمارے پاس ایسا باور (بلکہ یقین) کرنے کے لئے کافی شواہد موجود ہیں کہ ملک میں اس قسم کے حضرات کی اب کمی نہیں۔ طلوع اسلام کی کنونشن خود اس حقیقت کی زندہ شہادت تھی۔ نیز اس امر کی بھی کہ ان کے دلوں میں اس نظام کی تشکیل کے لئے بڑی تڑپ ہے اور ان کے سامنے اپنا کوئی مفاد

نہیں۔حتیٰ کہ نام اور نمود کی بھی خواہش نہیں۔وہ ملک کے ایسے دور دراز گوشوں میں جن کے نام تک سے بھی باہر کی دنیا کم واقف ہے' نہایت خاموشی سے اس قرآنی فکر کو آگے بڑھانے میں مصروف رہتے ہیں اور اس میں جس قدر تکالیف سامنے آتی ہیں انہیں نہایت خندہ پیشانی سے برداشت کرتے ہیں۔یہ ہے وہ طبقہ جس پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ عوام میں ایسی صحیح نگاہ پیدا کرے کہ وہ برے اور بھلے میں تمیز کر سکیں۔

اس سے آپ اندازہ لگا لیجئے کہ آپ پر کتنی بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لئے آپ کو کس قدر کام کرنے کی ضرورت ہے۔کرنے کا کام یہ ہے کہ ملک کے ایک ایک فرد کو نظامِ ربوبیت سے آشنا کرایا جائے۔یہ کام ذاتی بات چیت سے بھی ہوگا اور لٹریچر کی تقسیم سے بھی۔طلوع اسلام کی طرف سے جو کچھ اس وقت تک شائع ہو چکا ہے وہ اس نظام سے متعارف کرنے کے لئے بہت کافی ہے (اس میں مزید اضافہ بھی بدستور اور مسلسل ہوتا رہتا ہے) ضرورت اس کی ہے کہ اس لٹریچر کو گھر گھر پہنچایا جائے' اس کا ترجمہ علاقائی زبانوں میں کیا جائے۔پھر اسے ذاتی طور پر مختلف کونوں اور گوشوں میں پہنچایا جائے۔نجی ملاقاتوں میں اس کے متعلق گفتگو کی جائے اور یہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ آپ کو اس کی دھن لگ جائے' آپ سفر میں ہوں یا حضر میں۔اپنے مکان پر ہوں یا کسی دوسرے کے۔شادی کی تقریب میں ہوں یا غمی کی۔مسجد میں ہوں یا مدرسہ میں۔آپ کسی جگہ اور کسی مقام پر ہوں' یہی نقطہ آپ کا موضوع گفتگو ہو۔یعنی قرآنی نظام ربوبیت کا تعارف اور اس ابتدائی تعارف کے بعد جب آپ سننے والوں میں کچھ دلچسپی دیکھیں تو ان تک ضروری لٹریچر پہنچایا جائے اور اس تمام جدوجہد اور سعی وکاوش سے آپ کا ذاتی مفاد کوئی بھی پیش نظر نہ ہو۔آپ کا قول وفعل۔سیرت وکردار اس عظیم حقیقت کا اعلان ہو کہ ما اسئلکم علیه من اجر۔ ان اجری الا علیٰ رب العالمین (۲۶/۱۱۰)۔میں اس کے لئے تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا۔میرا اجر صرف خدا کی ربوبیت عالمین کے ذمے ہے۔

لیکن یہ کام انفرادی طور پر کما حقہ نہیں ہو سکے گا۔اس کے لئے اجتماعی اور منظّم کوشش (Organised Effort) کی ضرورت ہوگی۔ان کوششوں کا مرکز اور محور ہر شہر اور قریہ کی مقامی بزم طلوع اسلام ہوگی جو وقتاً فوقتاً مرکزی بزم سے راہنمائی حاصل کرتی رہے گی۔لہٰذا سب سے پہلے مقدم کام ان بزموں کو زندہ۔فعال۔متحرک اور منظّم بنانا ہے۔آپ اپنی جگہ مل کر بیٹھئے اور سوچئے کہ اس ضمن میں آپ نے کیا کچھ کیا ہے اور کیا کچھ کرنا ہے؟؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

منصور سرمدی

شمعِ اخیرِ شب

ہٹلر کے وزیر اطلاعات ونشریات گوئبلز کا اصول تھا کہ جھوٹ کو بار بار دہرایا جائے۔ اگر جھوٹ کو سو مرتبہ دہرایا جائے تو وہ سچ بن کر دکھائی دینے لگتا ہے۔ جدید دنیا میں پراپیگنڈہ ایک ایسا فن ہے جس کے بل پر سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ میں، دن کو رات اور رات کو دن میں بڑی آسانی سے تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ ذرائع ابلاغ کے بل بوتے پر ایک عادی مجرم کو فرشتہ ثابت کیا جا سکتا ہے اور ایک بے گناہ اور معصوم شخص قابل گردن زدنی قرار پا سکتا ہے۔ یوں تو پراپیگنڈہ کی قیامت خیزیاں تمام شعبہ ہائے حیات میں جلوہ افروز ہوتی ہیں مگر مذہبی پیشوائیت کے ہاں گوئبلز کا یہ اصول نہ محض آب زر سے لکھ لیا گیا ہے بلکہ ایک مدت سے اسے عملی جامہ پہنا کر جلب منفعت کا ذریعہ بنا لیا گیا ہے۔

ممکن ہے بعض قارئین کو یہ بات انگشت بدنداں کر دے کہ ہیں! مذہبی پیشوائیت اور جھوٹ ناممکن، ایسا نہیں ہو سکتا۔ مگر ایسے قارئین سے التماس ہے کہ ذرا دھیرج رکھیں اور جلد بازی میں کوئی رائے قائم نہ کریں۔ موجودہ دور میں کچھ تو ذرائع ابلاغ کی فراوانی کے طفیل اور کچھ سائنس کے حیرت فروش انکشافات و اکتشافات کی بدولت خود مسلمانوں کے اندر بیداری کی لہر کے آثار پیدا ہو چلے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ہمارے اہل فکر و نظر نے بھی جدید خطوط پر سوچنا شروع کر دیا ہے۔ مختلف ٹی۔وی چینلز پر ہونے والے مذہبی مباحثے اور مذاکرے اس بات کا بین ثبوت ہیں۔ ان پروگرامز میں ہمارے احبار و رہبان کا انداز مدافعانہ (Defensive) ہوتا ہے۔ وہاں تو وہ مصلحتاً خاموش رہتے ہیں مگر اپنی مسجد کے منبر پر آ کر وہ دل کی خوب بھڑاس نکالتے ہیں کیونکہ یہ ان کا (Home Ground) ہوتا ہے۔ جہاں صرف وہ بولنے والے ہوتے ہیں اور باقی محض سامعین۔

آج جبکہ قرآنی فکر کے قبول عام کے لئے ماحول سازگار ہو رہا ہے، ملت کے احبار کرام اور رہبان عظام طعن و تشنیع اور پراپیگنڈہ کے ہتھیاروں سے لیس ہو کر قرآنی فکر کے علمبرداروں، قرآنی تعلیمات اور سائنسی علوم کی ترویج کے خلاف مصروف جہاد ہو چکے ہیں۔ کہیں انکار حدیث کا واویلا مچایا جاتا ہے، کہیں تجدد پسندی کی دہائی دی جاتی ہے، کبھی مغرب پسندی کا

ڈھنڈورہ پیٹا جاتا ہے اور کہیں اعتدال پسندی اور روشن خیالی جیسی مثبت قدروں (Positive Values) کے لئے ''نام نہاد'' کا سابقہ استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ بلند آہنگ شور وشغب محض اس لئے کیا جاتا ہے تاکہ سادہ لوح عوام کو باور کرایا جا سکے کہ ''اسلام'' پھر خطرے میں ہے لہٰذا ؎

اٹھو وگرنہ حشر نہیں ہو گا پھر کبھی
دوڑو زمانہ چال قیامت کی چل گیا

مسجد کے منبر اور لاؤڈ سپیکر کے ساتھ ساتھ مذہبی پیشوائیت نے متعدد اخبارات و رسائل جاری کر رکھے ہیں۔ دھڑا دھڑ کتابیں شائع کی جا رہی ہیں۔ مقالہ زیرِ نظر میں رہبانِ ''عظام'' کے پراپیگنڈہ فن پاروں کے چند نمونے نذرِ قارئین کئے جا رہے ہیں۔ سنئے اور سر دھنئے کہ مقدسوں کا یہ طائفہ کس تن دہی اور چابک دستی سے جھوٹ، دروغ گوئی اور بہتان تراشی کے ریکارڈ قائم کر رہا ہے۔

گزشتہ دنوں ایک کتاب بعنوان ''جناب غلام احمد پرویز اپنے الفاظ کے آئینے میں'' نظر سے گذری جس کے مصنف ہیں پروفیسر محمد دین قاسمی۔ طلوع اسلام اور جناب پرویز کے خلاف موصوف کی حقائق سوز اور دشنام آمیز تحریریں ماہنامہ ''محدث'' کی وساطت سے اکثر و بیشتر پڑھنے کا اتفاق ہوتا رہتا ہے۔ آپ کتاب کے عنوان کو دیکھئے، معلوم ہوتا ہے کہ مصنف جناب پرویز کے احترام کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ان کی تحریروں کو سامنے لا کر ان پر علمی نقد و جرح کرنا چاہتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اہل علم کا یہی طریقہ رہا ہے جس پر کسی اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں ہو سکتی۔ مگر حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ کتاب کھولنے کے چند ہی صفحات بعد گالیوں، طعنوں، کوسنوں، الزامات اور بہتانات کی سنگ باری شروع ہو جاتی ہے اور کتاب کے عنوان کو پڑھ کر مصنف موصوف کے متعلق قائم کیا گیا حسنِ ظن فوراً ہوا میں تحلیل ہو جاتا ہے۔ پرویز صاحب یا طلوعِ اسلام کے اقتباسات توڑ مروڑ کر اور سیاق و سباق سے علیحدہ کر کے پیش کئے جاتے ہیں۔ اس کے بعد دہائی مچائی جاتی ہے کہ دیکھئے مفکرِ قرآن کے ''خار زاراتِ تضادات'' اور ''اکاذیب و اباطیل''۔ پرویز صاحب کو جن گالیوں سے نوازا گیا ہے وہ کچھ اس قسم کی ہیں: اخلاقی نامرد (ص۳۳۶)، خیانت کار (۳۸۲)، بہتان تراش، تہمت طراز، جھوٹے، متناقض الکلام، تضاد گو، اخلاقی رذائل کی گندگی میں لت پت، گھٹیا حربہ اختیار کرنے والے (ص۳۸۳)۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ مصنف موصوف اس دشنام طرازی کا بار اپنے اوپر نہیں آنے دیتے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں ''میں نے کبھی یہ ضرورت محسوس نہیں کی کہ مضبوط دلائل اور قوی براہین کے ساتھ پرویز صاحب کی تردید کر ڈالنے کے بعد ان کے متعلق 'بے شرم ہے'، 'بے حیا ہے' جیسے سوقیانہ الفاظ بھی استعمال کروں (ص۳۷۴) مگر اسی کتاب کے صفحہ (۳۸۳) پر یوں گل فشانی فرماتے ہیں۔ ''وہ (پرویز صاحب) مالی معاملات میں گڑبڑ کرنے کے الزام کو اپنی ذات سے دفع کرنے کے لئے منافقین کے نام لے کر خود اپنی طرف سے رسول ﷺ پر یہی الزام عائد کر کے اس ذات اقدس و

اعظم کو اپنی سطح پر گھسیٹ لانے میں شرم و عار محسوس نہیں کرتے ہیں''۔

مارچ ۱۹۵۲ء کے ترجمان القرآن میں ایک قاری نے جناب مودودی کو لکھا کہ ''ابھی ابھی ایک پرچہ 'طلوع اسلام' نظر سے گزرا۔ یہ پرچہ قریب قریب ان مضامین پر مبنی ہے جن میں آپ کی کتاب 'مرتد کی سزا اسلامی قانون میں' کی قرآن کی رو سے تردید کی گئی ہے..... اس سلسلے میں ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ آئندہ ماہ کے ترجمان القرآن میں آپ اس کا جواب لکھ رہے ہیں یا نہیں؟ اگر کسی دوسرے پرچے میں اس کا جواب لکھ رہے ہوں تو ہمیں آگاہ کر دیں تاکہ جو لوگ اس پرچے 'طلوع اسلام' کو پڑھ کر آپ کی طرف سے بددل ہو گئے ہیں ان کا ازالہ کر دیا جائے۔'' جناب مودودی نے پرویز صاحب کے مقالے ''قتل مرتد'' کا جواب تو شائع نہ کیا البتہ مستفسر کے جواب میں پرویز صاحب کا نام لئے بغیر گالیوں کی بوچھاڑ کر دی۔ اس طویل اقتباس کو پروفیسر صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ ۳۸۶۔۳۸۵ پر دیا ہے اور ساتھ یہ سرخی جمائی ہے 'مولانا مودودی کا ایمان افروز جوابی طرزِ عمل'۔ اس اقتباس میں جناب مودودی نے پرویز صاحب اور 'طلوع اسلام' کے لئے 'نامرد'، 'بے حیا' اور 'ناخدا ترس' جیسے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ قارئین خود ہی اندازہ لگا لیجئے کہ پروفیسر صاحب اس کے باوجود مُصر ہیں کہ وہ بے شرم اور بے حیا جیسے سوقیانہ الفاظ استعمال نہیں کر سکتے۔

اب آپ کے سامنے دو ایک اقتباسات پروفیسر صاحب کی کتاب سے پیش کئے جاتے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ کس قسم کے ہیں وہ اعتراضات جو پرویز صاحب کی ذات اور فکر پر موصوف نے کئے ہیں۔

''خارزارات تضادات پرویز'' کے عنوان کے تحت پروفیسر صاحب نے جو تیسری اور چوتھی مثال پیش کی ہے اس میں وہ لکھتے ہیں:

''تیسری مثال: معاویہؓ چٹھی نویس یا کاتب وحی؟..... حضرت معاویہؓ کاتب وحی تھے؟ یا کچھ اور؟ طلوع اسلام اس سوال کے دو متضاد جواب دیتا ہے۔ ایک مقام پر لکھتا ہے: ''امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خود ایک جلیل القدر صحابی تھے۔ ان کا شمار ان کاتبان وحی میں ہوتا ہے جن کو (سفرۃ کرام بررہ) (خوش نویس شرافت کے مجسمے اور نہایت نیکوکار) کے القاب سے خود قرآن نے یاد کیا ہے'۔ (طلوع اسلام جون ۱۹۵۳ء ص ۳۹)۔ ایک دوسرے مقام پر یہی طلوع اسلام یہ لکھتا ہے: ''حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ (جو کسی زمانہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خطوط لکھا کرتے تھے اور جنہیں لوگوں نے غلطی سے کاتب وحی مشہور کر دیا) کامیاب ہو گئے''۔ (طلوع اسلام' نومبر ۱۹۶۴ء ص ۵۶)۔

چوتھی مثال: سلمان فارسی' تاریخی شخصیت؟ طلوع اسلام صحابی رسولؐ حضرت سلمان فارسیؓ کی تاریخی شخصیت کا انکار' بایں الفاظ کرتا ہے: اگر داعی صرف بنو ہاشم سے وابستہ رہتے تو روح ایران جلوہ ریز نہ ہوتی اور زنادقہ کا اصل مقصد فوت ہو جاتا'

اس لئے ایک شخصیت سلمان فارسی کے نام سے' احادیث کے ساتھ گھڑی گئی' یہ کوئی تاریخی شخصیت نہیں۔ (طلوع اسلام' نومبر ۱۹۴۹ء' ص۴۹) اور پھر دوسرے مقام پر انہیں نہ صرف ایک تاریخی شخصیت قرار دیتے ہوئے بلکہ واجب احترام اور لائق تعظیم صحابی رسول کہہ کر بایں الفاظ ان کا ذکر کرتا ہے: ''آخر میں ہم حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ جیسے مقتدر و معظم صحابی کا قول نقل کر کے اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔'' (طلوع اسلام' مارچ ۱۹۶۳ء' ص۵۰)۔ (جناب غلام احمد پرویز اپنے الفاظ کے آئینے میں' ص۹۵۔۹۴)۔

ان مثالوں کو پیش کرنے کے بعد مصنف نے 'ایک وضاحت' کے عنوان سے چند سطور سپرد قلم کی ہیں۔ فرماتے ہیں: ''تیسری اور چوتھی مثال میں جو تحریری ثبوت پیش کئے گئے ہیں وہ اگرچہ پرویز صاحب کے الفاظ میں نہیں ہیں' کسی اور کی عبارات ہیں' لیکن ان کے متعلق طلوع اسلام (یا خود پرویز صاحب) نے کسی اختلافی رائے کو ظاہر نہیں کیا' اس لئے انہیں پرویز صاحب ہی کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ کیونکہ خود انہیں کا اصول ہے کہ کسی چیز کو بلا اختلافی نوٹ کے شائع کرنا دلیل موافقت قرار پاتا ہے''۔ (ایضاً ص۹۵)۔

قارئین کرام! اعتراضات آپ نے ملاحظہ فرما لئے۔ محترم موصوف کو اعتراف ہے کہ چاروں اقتباسات میں سے کوئی بھی پرویز صاحب کی تحریر نہیں ہے۔ آپ ذرا کتاب کے عنوان کو دوبارہ پڑھ لیجئے۔ ''جناب غلام احمد پرویز اپنے الفاظ کے آئینے میں'' اس تلبیس کو کیا نام دیا جائے۔ اس خدع وفریب کو کیا کہا جائے۔ مذکورہ چار اقتباسات میں سے جو دو اقتباسات قابل اعتراض ہیں' آیئے ذرا ان کا جائزہ لیتے ہیں۔ جو اقتباس طلوع اسلام نومبر ۱۹۶۴ء کے صفحہ ۵۶ سے نقل کیا گیا ہے وہ اصل میں مصر کے ایک اہل علم جناب حسن الشرباصی السیفوی کا مرتب کردہ ہے جس کا ترجمہ طلوع اسلام کے لئے سید نصیر شاہ (میانوالی) نے کیا تھا۔ مضمون کے آغاز میں مترجم کا یہ نوٹ موجود ہے ''ذیل کا گراں قدر مقالہ ماہنامہ 'الاسلام' (مصر) کی مئی جون کی مشترک اشاعت میں منظر عام پر لایا گیا تھا۔ قارئین طلوع اسلام کی دلچسپی کے لئے اسے اردو کا جامہ پہنا رہا ہوں''۔ (مترجم) (طلوع اسلام نومبر ۱۹۶۴ء' ص ۲۵)۔ اس کے بعد طلوع اسلام کی طرف سے نوٹ درج ہے جس میں علاوہ اور باتوں کے یہ بھی لکھا ہے کہ ''استدراک آخر میں ملاحظہ فرمایئے''۔ اور مضمون کے اختتام پر استدراک کے عنوان سے مندرجہ ذیل الفاظ درج کئے گئے ہیں: ''اس مقالہ میں جس قدر حصہ تاریخ سے متعلق ہے ظاہر ہے کہ اسے یقینی نہیں کہا جا سکتا اس لئے اسے احتیاط سے قبول کرنا چاہئے۔ یہ احتیاط اس وقت اور بھی زیادہ ضروری ہو جاتی ہے جب معاملہ صحابہ کبارؓ سے متعلق ہو۔ اس سلسلہ میں ہم طلوع اسلام میں بڑی تفصیل سے لکھ چکے ہیں اور وہ مباحث اب 'قرآنی فیصلے' (جلد دوم) میں درج ہو گئے۔ جنہیں اس موضوع کی تفصیلات سے دلچسپی ہو وہ اسے وہاں دیکھ سکتے ہیں۔ (طلوع اسلام)'' (طلوع اسلام نومبر ۱۹۶۴ء' ص۵۷)۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے' پروفیسر موصوف کا دعویٰ تھا کہ طلوع اسلام یا پرویز صاحب نے کوئی اختلافی نوٹ نہیں لکھا اس لئے اسے پرویز صاحب سے منسوب کیا گیا ہے۔ آپ ذرا اس 'دیانت' کو ملاحظہ فرمائیے۔ مستشرقین کی کتابیں بھی اسلام پر تنقید سے مملو ہوتی ہیں مگر آج تک کسی مستشرق نے بھی اس قسم کی علمی خیانت کا مظاہرہ نہیں کیا جس کا اظہار پروفیسر موصوف نے کیا ہے۔ آخر یہ اخلاقی تفاوت تو ناگزیر ہے کیونکہ مستشرقین ٹھہرے یہودی' نصرانی' کافر اور جہنم کا ایندھن اور ہمارے پروفیسر صاحب 'حامیٔ دینِ متین اور وارثِ شرعِ مبین'۔ جو لوگ دیدہ و دانستہ ایسی افترا پردازی سے کام لیں' اختلافی نوٹ کے ہوتے ہوئے اسے چھپا جائیں ان کے بارے میں کیا کہا جائے سوائے اس کے کہ آج کے دور میں قرآنی فکر کی مقبولیت اور اس میں پرویز صاحب کے Contribution سے خائف ہو کر پرویز صاحب کے رد میں صفحات کے صفحات سیاہ کئے جا رہے ہیں۔ یہاں ایک سوال عام قاری کے ذہنوں میں اٹھتا ہے کہ اس قسم کے جھوٹ' افترا اور تہمت تراشی کی ہمت ان وارثانِ دینِ متین اور مفتیانِ شرعِ مبین کو کیسے ہو جاتی ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے اقتباس کا جائزہ لینے سے قبل اس سوال کا جواب دے دیا جائے۔ ایک قاری کی حیرت اس وقت انتہا کو پہنچ جاتی ہے جب وہ یکے از احبار و رھبانِ مملکت خداداد کا یہ فتویٰ پڑھتا ہے جو پروفیسر موصوف کے ممدوح نے برسوں پہلے مسند ارشاد سے نشر فرمایا تھا:

''راست بازی اور صداقت شعاری اسلام کے اہم ترین اصولوں میں سے ہے اور جھوٹ اس کی نگاہ میں ایک بدترین برائی ہے۔ لیکن عملی زندگی کی بعض ضرورتیں ایسی ہیں جن کی خاطر جھوٹ کی نہ صرف اجازت ہے بلکہ بعض حالات میں اس کے وجوب تک کا فتویٰ دیا گیا ہے۔'' (ترجمان القرآن' مئی ۱۹۵۸ء' ص ۵۴)۔

اب ان صاحبان جبہ و دستار کے نزدیک زندگی کی اس سے زیادہ عملی ضرورت کونسی ہو سکتی ہے کہ جھوٹ کا ہتھیار پرویز صاحب کے بلند علمی مرتبے کو گرانے کے لئے استعمال کیا جائے؟

دوسرا قابل اعتراض اقتباس حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے بارے میں دیا گیا ہے جس کا حوالہ پروفیسر صاحب نے طلوع اسلام نومبر ۱۹۴۹ء ص ۴۹ دیا ہے۔ یہ اقتباس بھی حد درجہ دروغ گوئی اور کذب بافی سے مملو ہے۔ طلوع اسلام کے مذکورہ صفحہ پر اس قسم کی کوئی تحریر سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔ مناسب سمجھا گیا ہے کہ مذکورہ صفحہ کا عکس جوں کا توں قارئینِ طلوع اسلام کے سامنے لایا جائے تا کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے۔ **(عکس مضمون کے آخر میں ملاحظہ فرمائیے)**۔ قارئین سے ہماری التماس ہے کہ اگر وہ مذکورہ صفحہ میں پروفیسر صاحب کا نقل کیا گیا اقتباس تلاش کر پائیں تو ہمیں بھی اس سے مطلع کیا جائے۔ آج ماحول میں تیزی سے تبدیلی

آ رہی ہے۔ یکطرفہ جھوٹے پراپیگنڈے کا دور اب لد چکا ہے۔ میڈیا پر ہونے والے مذاکرے اور مباحثے اس بات کے غماز ہیں کہ ملت کے احبار و رہبان کے آہنی شکنجوں کے بند اب ڈھیلے پڑتے جا رہے ہیں۔ امت کی رگ جاں کو دبوچنے والی ان کی گرفت اب کمزور پڑتی جا رہی ہے۔ ان کے فتاویٰ بے اثر ہو رہے ہیں۔ ان کا وقار اور طنطنہ مٹی میں ملتا جا رہا ہے' ان کی ''علمی کاوشیں'' عالم اسلام کی جگ ہنسائی پر منتج ہو رہی ہیں۔ ان کے تحقیقی شاہکار پوری دنیا میں مسلمانوں کی رسوائی کا سامان بن رہے ہیں اور اگر قرآنی اصطلاح استعمال کی جائے تو گویا علم کی بارگاہ سے انہیں ''آتشیں کوڑے'' پڑ رہے ہیں۔

ایسے میں مذہبی پیشوائیت کی صفوں میں کھلبلی مچ رہی ہے۔ اس کا دن کا سکون غارت اور راتوں کی نیند برباد ہو رہی ہے اور نتیجتاً اس نے شمعِ اخیرِ شب کی مانند تیز لو سے بھڑکنا شروع کر دیا ہے' گویا ؎

ہے کچھ دَم کی مہماں بجھا چاہتی ہے

اس مقالے میں چند اور کتابوں کے مندرجات پر بھی تبصرہ کرنے کا ارادہ تھا مگر بخوف طوالت اسے آئندہ کے لئے اٹھا رکھتے ہیں۔ آج پرویز صاحب اور ان کتابوں کے ساتھ وہی کچھ ہو رہا ہے جو کبھی سرسید اور ان کی تصانیف کے ساتھ ہوا کرتا تھا۔ مناسب سمجھا گیا ہے کہ اپنے اس مضمون کا اختتام الطاف حسین حالؔی کی ایک نظم سے کیا جائے جو انہوں نے تصانیف سرسید احمد کے ساتھ اس زمانے کی مذہبی پیشوائیت کی طرف سے روا رکھے جانے والے رویے کے بارے میں لکھی تھی۔ آپ حیران ہوں گے کہ حالؔی کے قلبِ حساس سے نکلنے والی یہ صدا آج بھی اتنی ہی حقیقت کشا ہے جتنی اس زمانے میں تھی۔ ملاحظہ فرمائیے:

اک مولوی کہ تنگ بہت تھا معاش سے
برسوں رہا تلاش میں وَجہِ معاش کی
وہ شہر شہر نوکری کی ٹوہ میں پھرا
لیکن نہ اس کے ہاتھ کہیں نوکری لگی
اخبار بھی نکال کے بخت آزمائی کی
تدبیر یہ بھی اس کی نہ تقدیر سے چلی
روزی کی خاطر اس نے کئے سینکڑوں جتن
پر کی کہیں نصیب نے اس کے نہ یاوری
راہ طلب میں جب ہوئی سرگشتگی بہت
اک خضرِ پَے خجستہ نے کی آ کے رہبری
جھک کے کہا یہ کان میں اس کے کہ آج کل
سنتا ہوں چھپ رہی ہے تصانیف احمدی
جا اور لفظ لفظ کو اس کے چتھیڑ کر
تردید اس کی چھاپ دے جو ہو بُری بھلی
پھر دیکھنا کہ راس و چپ و گرد و پیش سے
لگتی ہے کیسی آ کے زر و سیم کی جھڑی
دنیا طلب کو چاہئے ابلہ فریب ہو
دنیا پہ جب تلک کہ مسلط ہے ابلہی

☆☆☆

(ماہنامہ طلوع اسلام نومبر 1949ء کے صفحہ 49 کا عکس ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ قارئین کرام خود ملاحظہ فرمائیں گے کہ اس میں ایسا کوئی اقتباس نہیں ہے جو محمد دین قاسمی صاحب نے اپنی تصنیف میں نقل کیا ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غلام باری، مانچسٹر

امت۔قوم۔دوقومی نظریہ

سب سے پہلے یہ دیکھئے! قرآن کریم ہمیں بتاتا ہے کہ شروع میں، تمام انسان ایک برادری کے افراد (امت واحدہ) تھے، پھر ان کی مفاد پرستیوں کے ٹکراؤ سے ان میں اختلاف پیدا ہو گئے (۲/۲۱۳)۔ ان اختلافات کے مٹانے کے لئے آسمانی رشد و ہدایت کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ اس سلسلہ کی تکمیل نزول قرآن سے ہوئی۔ اب قرآنی تعلیم کا منتہٰی یہ ہے کہ تمام نوع انسان کو پھر سے امت واحدہ بنا دیا جائے۔ اس مقصد کے لئے وہ پوری انسانیت کو دو گروہوں میں تقسیم کرتا ہے۔ ایک وہ جو قرآن کی عطا کردہ راہنمائی کی روشنی میں، انسانیت کو ایک عالمگیر برادری میں مربوط کرنے کے داعی ہوں۔ انہیں جماعت مومنین کہا جاتا ہے اور دوسرے وہ جو اپنی ذاتی یا گروہ بندانہ مفاد پرستیوں کے پیش نظر انسانوں کو مختلف گروہوں اور قوموں میں منقسم رکھنے پر مصر ہوں۔ انہیں قوانین خداوندی کو نہ ماننے والے یعنی کافر کہا جائے گا (۲/۶۴)۔ جماعت مومنین کا فریضہ یہ ہوگا کہ وہ قرآنی تعلیم کو عام کر کے، انسانوں کے تفرقے مٹاتی چلی جائے اور اس طرح انہیں ایک برادری کے افراد بناتی جائے۔ اس کا عملی طریق یہ ہوگا کہ وہ ایک ضابطۂ حیات (یعنی قرآن کریم) کو اپنے تمام معاملات میں سند آخر (فائنل اتھارٹی) تسلیم کریں اور اس اتھارٹی کو عملاً نافذ کرنے والے ایک مرکز کے تابع رہیں۔ اس مرکز کی ہیئت کیا ہوگی، اسے یہ لوگ باہمی مشاورت سے طے کریں گے۔ اس مرکز کی وحدت کا محسوس نشان کعبہ ہے۔

☆ قرآن کریم میں جماعت مومنین کے لئے قوم کا لفظ نہیں آیا بلکہ امت کا لفظ آیا ہے۔ امت کے معنی مسلک، مشرب، طریق زندگی اور نظریۂ حیات کے ہیں۔ لہٰذا قوم تو کسی ایک مقام کے رہنے والوں یا ایک قبیلہ یا نسل کے افراد پر مشتمل ہوگی اور امت ہم مشرب و مسلک افراد سے ترتیب پائے گی۔ یعنی اسلام میں امت کی تشکیل آئیڈیالوجی کی بنیاد پر ہوگی۔ نظریۂ قومیت کا یہ بنیادی فرق ہے۔ جو جماعتِ مومنین (مسلمانوں) کو دیگر اقوام سے متمیز کرتا ہے۔ یہ اس لفظ کے بنیادی معنی ہیں۔ ویسے مجازی اور عرفی طور پر اسے عام گروہ، جماعت یا قوم کے لئے بھی استعمال کر لیا جاتا ہے۔ جیسے مدیَن کے پیاؤ پر امة من الناس لوگوں میں سے ایک گروہ (۲۸/۲۳)۔ قومِ موسیٰؑ میں ایک امت (جماعت) تھی جو حق

کی طرف دعوت دیتی تھی (۱۵۹/۷)۔ یہاں امت اور قوم کا فرق ظاہر ہے۔

☆ دورِ حاضر میں قومیت (Nationalism) کا معیار اشتراکِ وطن ہے۔ یعنی ایک وطن کی حدود میں رہنے والے تمام افراد خواہ وہ کسی نسل سے متعلق ہوں اور ان کا مذہب کچھ ہی کیوں نہ ہو، مل کر ایک قوم بنتے ہیں۔ قرآن کریم نے قومیت کے ان معیاروں کی نفی کی اور کہا کہ قومیت کا مدار آئیڈیالوجی (ایمان) کے اشتراک پر ہے۔ اس اعتبار سے جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے دنیا میں صرف دو ہی قومیں آباد ہیں۔ ایک وہ جو قرآن کریم میں عطا کردہ نظریۂ حیات (آئیڈیالوجی) پر ایمان رکھتی ہے۔ جسے امتِ مسلمہ یا جماعتِ مومنین کہا جاتا ہے اور دوسری قوم ان انسانوں پر مشتمل ہے جو اس نظریۂ حیات پر ایمان نہیں رکھتے۔ انہیں قومِ الکافرین کہا جاتا ہے۔

☆ قرآن کریم میں ''قوم المؤمنین یا قوم المسلمین'' کے الفاظ نہیں آئے۔ اگرچہ قوم یومنون کے الفاظ آئے ہیں۔ قرآن کریم نے اس گروہ کو بھی قوم کہہ کر پکارا ہے جس کے افراد کسی ایک خصوصیت میں مشترک ہوں مثلاً قوم المجرمین، قوم الفاسقین۔ قوم المجرمین اور قوم الفاسقین سے ظاہر ہے کہ قرآن کریم، دنیا کے تمام لوگوں کو جو کسی ایک خصوصیت میں مشترک ہوں قوم کہہ کر پکارتا ہے خواہ ان کی نسل، زبان، رنگ، وطن کوئی بھی ہو۔ اس سے بھی واضح ہے کہ قرآن کی رو سے معیار قومیت کسی خصوصیت کا اشتراک ہے اور چونکہ کفر اور ایمان دو بنیادی (متضاد) خصوصیات ہیں اسی لئے قرآن، تمام انسانوں کو انہی دو گروہوں میں تقسیم کرتا ہے۔ لہٰذا نہ کوئی کافر امتِ مسلمہ کا فرد ہوسکتا ہے نہ کوئی مسلم، قومِ کافر کا فرد۔

☆ واضح رہے کہ جب قرآن کریم کہتا ہے کہ (مثلاً) خدا قوم الفاسقین وغیرہ کو ہدایت نہیں دیتا تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ جب تک وہ قوم اس روش (فسق۔ کفر۔ ظلم وغیرہ) پر قائم رہتی ہے اس کے سامنے کشاد کی راہیں نہیں کھلتیں۔ اگر وہ قوم زندگی کی خوشگواریوں سے متمتع ہونا چاہتی ہے تو اسے چاہئے کہ وہ اپنے اندر تبدیلی پیدا کر کے اپنی موجودہ روش کو چھوڑ دے اور خدا کی نازل کردہ راہنمائی کو اپنا لے۔ (کوئی مانے یا نہ مانے قرآنِ کریم کی رو سے پاکستان میں قرآنی نظامِ حکومت نہ ہونے کی وجہ سے ہمارا شمار ان تینوں خصوصیات کی حامل اقوام میں ہوتا ہے۔ (۴۷۔۴۵۔۴۴)۔

☆ انبیاء کرامؑ کا فریضہ دین قائم کرنا تھا۔ ان کی بعثت یکے بعد دیگرے خود ساختہ مذہب پرست اقوام ہی میں ہوئی تھی۔ قرآن کریم میں قوم نوح، قوم ہود، قوم ابراہیم اور قوم لوط کا ذکر ہے۔ ان اقوام میں سے نوح، ہود، ابراہیم اور لوط (علیہم السلام) مختلف جگہوں، علاقوں یا چار صوبوں کے نام نہیں تھے۔ عاد اور ثمود قبائل تھے اور مدین ایک علاقہ کا نام تھا لیکن ہمارے ہاں عام طور پر لکھا ملتا ہے قوم عاد، قوم ثمود اور قوم مدین۔ قرآن کریم میں ایسے نہیں ہے۔ اللہ نے ان کے ساتھ قوم کا لفظ

نازل نہیں کیا صرف عاد۔ثمود اور مدین نازل کیا ہے اور انہیں ہود کی اپنی قوم۔ صالح کی اپنی قوم اور اہلِ مدین کو شعیب کی اپنی قوم کہا گیا ہے۔ یہ اس لئے کہ اللہ کے علم میں تھا کہ دوقومی نظریہ کے مطابق ایک خطۂ زمین پاکستان کے نام سے حاصل کیا جائے گا جس کا مطلب ہے **لا الہٰ الا اللہ** لیکن اس نظریہ اور پاکستان کے مخالفین مرتے دم تک دوقومی نظریہ کو باطل قرار دینے کے لئے صوبوں کی بنیاد پر اس ملک میں چار قومیتوں کے پروپیگنڈہ سے ناکام کوشش کریں گے۔ ان قدر ناآشنا اہلِ پاکستان مسلمان حضرات کو معلوم ہونا چاہئے کہ اب تو انڈیا کے ہندوؤں نے بھی تسلیم کر لیا ہے کہ ان کا اکھنڈ بھارت کا خواب کبھی پورا نہیں ہوسکتا۔

☆ غور کیجئے! ملک مصر میں دو قومیں آباد تھیں۔ ایک فرعون کی قوم جو ظالمین تھی (۱۰/۲۶) دوسری بنی اسرائیل جس کے متعلق قرآن کریم میں ہے فرعون اور اس کی قوم کے اکابرین نے کہا کہ موسیٰؑ اور ہارونؑ ہماری محکوم قوم کے آدمی ہیں قومھما لنا عابدون (۲۳/۴۷)۔لہٰذا بنی اسرائیل ان دونوں کی قوم تھی جو اسے مصر سے نکال کر وادیٔ سینا میں لے آئے تھے تاکہ وہ وہاں وحیٔ خداوندی کے مطابق حکومت قائم کر کے آزادی سے زندگی بسر کرسکیں۔ یہی تھا وہ دو قومی نظریہ جس کے مطابق قائداعظمؒ مسلمانوں کو ہندوستان سے نکال کر پاکستان میں لے آئے تھے لیکن بعد میں اہل پاکستان نے کیا کیا۔ وہی جو کچھ بنی اسرائیل کی نالائق قوم نے کیا تھا۔ وہ گوسالہ پرست بن گئے تھے، ہم نے پوجا کے لئے مختلف نسل کے موٹی گردن، لمبے بالوں، سینگ مارنے والے لاکھوں بچھڑے پال رکھے ہیں۔قرآن کریم میں ہے کہ:

(چنانچہ ان کے عذاب کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ) ان کی مرکزیت تباہ ہوگئی اور وہ مختلف پارٹیوں میں بٹ گئے۔ (کسی قوم کا مختلف پارٹیوں اور فرقوں میں بٹ جانا عذاب ہوتا ہے)۔ ان میں سے کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو اس روش کے خلاف چلتے تھے۔ہم ان کی قومی زندگی کے مختلف پہلو بدلتے رہے۔کبھی ان پر خوشحالی کا دور آجاتا کبھی بدحالی کا (انہیں یک لخت تباہ نہیں کر دیا گیا تھا) اور یہ اس لئے کہ، ممکن ہے وہ قانون خداوندی کی طرف لوٹ آئیں۔(۷/۱۶۸)۔

خدا کی طرف سے مہلت کے وقفہ کا ملنا بڑا غنیمت ہے۔طلوع اسلام کا یہی رونا ہے کہ اہل پاکستان مسلمان عملی طور پر خالصتاً قرآن کی طرف لوٹ کر اپنے ملک کے حصولِ مقصد کی خاطر بحیثیت امت واحدہ ان اصرو اغلال (۷/۱۵۷) سے آزادی حاصل کر لیں جنہیں حضورﷺ نے توڑ کر نوعِ انسان کو آزادی دلائی تھی لیکن بعد میں مسلمانوں نے بڑی عقیدت سے ان ٹوٹی ہوئی زنجیروں کی کڑیوں کو چن چن کر اکٹھا کر کے جوڑا اور پھر ان سے اپنے آپ کو پہلے سے بھی زیادہ کس کر جکڑ رکھا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جمیل احمد عدیل

مسلمان کی تعریف

جب سے ہم مسلمان اپنے اعمال کے سبب قابل تعریف نہیں رہے، تب سے مسلمان کی تعریف موضوعِ بحث بنی ہوئی ہے۔ ہر گروہ نے اپنے حساب سے مسلمان کی تعریف کچھ اس انداز میں وضع کر رکھی ہے جس کے مطابق باقی جملہ گروہ کسی مرکز گریز قوت کے تحت ''اپنے آپ'' اس مخصوص فرقے سے باہر جا گریں۔ ہماری دانست میں مسلمان کی تعریف اس وقت تک متعین نہیں ہوسکتی جب تلک کافر کی تعریف کا باقاعدہ تعین نہ کرلیا جائے۔ کیونکہ یہ طے ہے کہ کافر کی تعریف پر مسلمان متفق ہوسکتے ہیں مگر مسلمان کی تعریف پر شاید ان میں اتفاق رائے نہ ہو سکے۔

آیئے قرآن مجید سے معلوم کرتے ہیں کہ کافر کی Definition کیا ہے؟ کم وبیش سوسو آیات میں اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرمائی ہے کہ کافر کون لوگ ہیں۔ ان تمام آیات کی تلخیص صرف ایک جملے میں یوں Reduce ہوسکتی ہے کہ ہر وہ شخص کافر ہے جو کسی ایک بھی قانون خداوندی کا عملاً منکر ہے۔ ہم نے لفظ عملاً عمداً تحریر کیا ہے کہ کفر وایمان جی ہاں ان دونوں کا تعلق صرف ''قول وقرار'' کے ساتھ بالکل نہیں ہے بلکہ براہ راست فرد کے اعمال وافعال کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ اسلام دنیا کا واحد دین ہے (ویسے دین ہوتا ہی واحد ہے) جس میں دکھاوے کی Entitlement کی رسم کو رسمی سا درجہ بھی نہیں دیا جاتا کہ فی الاصل شرک کی جڑ یہی ہے۔ بے عملی کی اصل یہی ہے۔ گمراہی کی اساس یہی ہے۔

آپ خود غور کر لیجئے کہ اس نصف صدی میں مسلمان کی تعریف پر جتنی بھی بحثیں ہوئی ہیں ان تمام کا مرکزی نقطہ صرف اور صرف یہ رہا ہے کہ مسلمان نام پانے کے لئے بنیادی شرائط اور اساسی ضرورتیں کیا کیا ہیں؟ جب ان کو سامنے لایا گیا تو یہ دیکھ کر سلیم العقل اصحاب حیران رہ گئے کہ وہ تو چند معتقدات پر مبنی عبارتیں تھیں۔ جی ہاں چار پانچ محض نظری عقیدے کہ اگر ایک شخص اپنی زبان سے یہ یہ کلمات ادا کر لے تو اس کا لقب یا خطاب مسلمان ہو جائے گا اور اگر ان میں سے کوئی ایک Clause ارادی یا غیر ارادی طور پر چھوٹ گئی تو چُھٹی۔ اب آپ کافر ہو گئے ہیں یعنی مسلمانی بھی ارزاں اور کافری بھی

آساں۔ اب اسے بازیچۂ اطفال نہ کہئے تو اور کیا کہئے؟ جب قضیے کی نوعیت Nomenclature یعنی نظامِ تسمیہ میں محدود ہو کر رہ گئی ہے تو امرِ واقعہ کے حقیقی مقتضیات تو نگاہوں سے اوجھل ہونے ہی تھے۔ سو ہو گئے۔

صاحبو! ہمیں تھوڑی دیر کے لئے لبرٹی دے دیجئے اور یہ کہنے دیجئے کہ اگر کوئی خوش اعتقاد زہر کا نام آبِ حیات رکھنے پر مصر ہے تو اسے ایسا کر لینے دیجئے۔ سائنائڈ کی بوتل پر جب Ambrosia کا لیبل لگ جائے گا تو اسے نوشِ جاں کرنے والا کیا عمرِ جاوداں کے ارمغاں سے بھی سرفراز ہو جائے گا؟ اس تناظر میں ہم پوری فراخدلی کا مظاہرہ کرنے پر تیار ہیں کہ اگر دنیا کا کوئی بھی شخص اپنا عنوان مسلمان تجویز کرنا چاہتا ہے تو بھلے کر لے۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ کیونکہ مسلمان ہونے کے لئے چند اعتقادات کو محض زبان سے دہرا دینے کے تو کوئی معانی ہی نہیں ہیں۔ یہ کھل جا سم سم ٹائپ کوئی داستانوی منتر تو نہیں ہے۔ بھائی! یہ تو عمل اور قطعی نتیجے کے ساتھ وابستہ ایک آزمودہ صداقت ہے جسے جب اور جو چاہے خود پرکھ کر دیکھ سکتا ہے۔

کسی قانون کے منجانب اللہ ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہی اس کا غیر متبدل ہونا ہے۔ تضاد و تخالف کے عیوب سے منزہ ہونا ہے۔ اگر وہ Revise ہو سکتا ہے تو پھر آنکھیں بند کر کے مان لیجئے کہ وہ Man Made ہے۔ اللہ کی طرف اس کی نسبت خالص التباس ہے۔ اسی لئے اللہ نے ''ہمیشہ'' قرآن کو ایک دستورِ اساسی کی صورت میں ہی نازل فرمایا ہے۔ ''ہمیشہ'' ان معنوں میں کہ قرآنی صداقتیں یعنی ازلی و ابدی سچائیاں ہی تمام انبیاء کرامؑ کو بذریعہ وحی عطا ہوئی ہیں۔ اللہ نے اپنے بنیادی اصولوں میں کبھی ترمیم نہیں کی۔ مثال کے طور پر یہ بھی اصلی اصول ہے کہ اللہ ہمیشہ اساسی ضابطہ ہی بھیجے گا اور بائی لاز کا تعین مومنین اپنی فراست کے مطابق زمانے کے تقاضوں کو مدنظر رکھ کر خود کریں گے۔ اس طرح ماانزل اللہ کے ''آسمانی'' ہونے کی یہ بین برہان بلکہ آیت بن گئی کہ خدا کا قانون جامد ہوتا ہے نہ موم کی ناک۔ صدیوں کے سلسلے کو پھر خود خدا نے اس طرح تکمیل کے وصف سے متصف کر دیا کہ اپنے آخری نبی حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کو مبعوث فرما دیا۔ یہ نعمت یوں پوری ہو گئی کہ اب پیاسی آنکھوں کو دوبارہ ''آسمان کی طرف'' دیکھنے کی احتیاج سے بے نیاز کر دیا۔ آپ تدبر کیجئے کہ چھوٹے سائز کی جی ہاں عام سی ضخامت کی ایک کتاب میں جملہ قوانین خداوندی کے ہر ہر امکان کو جمع کر دینا کیا ''معجزہ'' نہیں ہے؟ پھر امکانات کی یہ کہکشاں دھندلی ہرگز نہیں ہے بلکہ تبیان کے جوہر سے مزین ہے۔ ایک دم منور۔ ہر شے واضح۔ ابہام نام کو بھی نہیں ہے۔ مُبہم کچھ بھی نہیں ہے۔

اسی لئے تو قدم قدم پر قرآن یہ دعوت دیتا ہے کہ اس صحیفے میں بیان کردہ کسی بھی سچائی کو تم آزمانا چاہو تو خود آزما کر دیکھ لو۔ نتیجہ اگر اس دعوے کے برعکس نکلے تو بھلے انکار کر دینا لیکن یہ ہو نہیں سکتا کہ نتیجہ کوئی اور نکلے۔ ایسی تحدی، ایسا تیقن، ایسا اعتماد

بشری کاوش میں ممکن ہی نہیں ہوتا۔ واضح رہے کہ یہ ادعا کائناتی زندگی کے اعتبار سے بھی متحرک ہے اور سماجی حیات کے حوالے سے بھی فعال ہے۔ اب یہ ہمارا کام ہے کہ قرآنی صداقتوں کو پرکھ کر دیکھتے جائیں۔ جیسے جیسے یہ زندگی سے بھرپور عملی پروگرام ہمارے شعور اور فکر و عمل کا حصہ بنتا جائے گا ہم مسلمان بنتے چلے جائیں گے۔

واقعہ یہ ہے کہ پیدائشی مسلمان کوئی بھی نہیں ہوتا۔ ایمان کے مراحل سے خود گزر کر مومن بننا پڑتا ہے۔ اسلام کے درجات طے کر کے خود مسلمان ہونا پڑتا ہے۔ یعنی ایک ایک ضابطۂ خداوندی کو اپنی ذات اور سماج کا حصہ بنائے بغیر بلکہ نافذ کئے بنا کچھ بھی نہیں ہوسکتا۔ ہاں لیبلنگ ہوسکتی ہے جو بڑے زور و شور سے ہو بھی رہی ہے۔ اپنی پیشانی پر مسلمان کا بینر آویزاں کر دینا ویسا ہی نمائشی عمل ہے جیسا کہ کسی مخالف کے ماتھے پر کافر کا سٹیکر چسپاں کر دینا۔ اس طرح موخرالذکر کافر بن جاتا ہے نہ اول الذکر مسلمان۔

اس زمینی حقیقت سے آنکھیں چرانا بھی اب ہم کو چھوڑ دینا چاہئے کہ ہم یہ کہہ کر ''نفسِ مطمئنہ'' حاصل کر لیتے ہیں فلاں فلاں خطوں میں کافر بسے ہیں اور فلاں فلاں علاقوں میں مسلمان مقیم ہیں۔ ہر وہ شخص جزوی طور پر مسلمان ہے جو جزوی طور پر قوانین خداوندی پر عمل پیرا ہے۔ نیز ہر وہ شخص جزوی طور پر کافر ہے جو جزوی طور پر دساتیر ربانی کا منکر ہے۔ اب آپ خود تفکر کر لیجئے کہ کون سا فرد اور کون سا معاشرہ مکمل مومن ہے اور کون سا فرد اور کون سا معاشرہ مکمل کافر ہے۔ یہ سچائی بہرصورت تسلیم کرنا ہی پڑے گی کہ گلوب پر کہیں بھی خالص کافر موجود ہیں نہ خالص مومن۔ متعدد قوانینِ الٰہی ایسے ہیں جنہیں کفار نے دل و جان سے اپنا رکھا ہے۔ مثلاً تسخیرِ فطرت اور آپ اس قانونِ خداوندی کا کیسے انکار کریں گے کہ کافر ہوتے ہوئے بھی اگر کوئی قوم کسی ایک بھی الٰہی ضابطے پر عامل ہو جاتی ہے تو اس کے خوشگوار متعین نتائج ایک آن توقف کیے بغیر بارش بن کر اس پر برسنا شروع کر دیتے ہیں۔ بعینہٖ کسی ایک بھی قانونِ خداوندی کے عملی انکار سے بلا تامل عذاب الٰہی نازل ہونا شروع ہو جاتا ہے چاہے انکار کرنے والے خود کو مومنین/مسلمان وغیرہ کچھ بھی کہتے ہوں۔ کسی کے ساتھ استثنائی سلوک نہیں ہے۔

آخر میں ہمیں یہی عرض کرنا ہے کہ اللہ یعنی اللہ کے قوانین تمام انسانوں کے لئے یکساں ہیں۔ بہترین امان میں وہی رہے گا (اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی) جو تمام قوانین کو جی ہاں پورے کے پورے قوانین کے مجموعے کو نافذ کرنے میں کامیاب و کامران ہوگا۔ ایسا ہی فرد مکمل مسلمان اور کامل مومن کہلائے جانے کا درست مستحق ہوگا۔ رہا یہ تنازعہ کہ انفرادی طور پر کون مسلمان ہے؟ اجتماعی طور پر کونسی قوم مسلمان ہے؟ یعنی نام کی حد تک' تو بھائی! یہ نری پری خود فریبی ہے' خوش فہمی ہے۔ یہ بچوں کا کھیل ہے جسے مرضی مسلمان کہہ دیں' جسے چاہیں کافر قرار دے دیں۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مرتبہ محمد سلیم اختر

روئیداد طلوع اسلام' سالانہ کنونشن

﴿منعقدہ 23' 24 اپریل 2006ء﴾

ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دِل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

وطنِ عزیز' ملکِ خداداد' اسلامی جمہوریہ پاکستان میں ذہنی بکھراؤ اور فکری بحران کے نتیجہ میں جو نقصانات اور تباہی و بربادی ہو رہی ہے اس سے ہر حساس دل اور ہر سلیم العقل پاکستانی نہ صرف پریشان ہے بلکہ اس پریشانی کا کوئی علاج بھی چاہتا ہے۔ مجموعی طور پر یہ ہمارے دلوں کی آواز ہے کہ ہماری سوختہ سامانی' حیرانی اور پریشانی کا سبب بتایا جائے اور پھر اس صورت حال سے بچ نکلنے کی کوئی راہ بھی۔ اس پس منظر کو نگاہوں میں رکھ کر دیکھیں تو طلوع اسلام کی تحریک بنیاد کا وہ پتھر ہے جو ظاہر بین نگاہوں کو تو نظر نہیں آتا لیکن ارباب بصیرت کے نزدیک وہ اتنا اہم ہوتا ہے کہ اگر اس بنیاد کے پتھر پر عمارت تعمیر نہ کی جائے تو ثریا تک دیوار ٹیڑھی ہی اُسرتی چلی جائے گی۔ ملتِ اسلامیہ کی عاقبت تاریک سے تاریک تر ہوتی چلی جائے گی اور آخرِ کار یہ راکھ کا ڈھیر بن کر رہ جائے گی۔

طلوعِ اسلام کے سالانہ کنونشن ملت کو راکھ کا ڈھیر بننے سے بچانے کی ایک ادنیٰ سی تدبیر ہی تو ہوتے ہیں۔ اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک کے دردمندانِ ملت اس میں شرکت کرتے ہیں اور اس کے اجلاس متانت اور سنجیدگی کے ساتھ' بغیر کسی غوغا آرائی اور جذباتی نعرہ بازی کے منعقد ہوتے ہیں۔

امسال مندوبین کی رہائش کا انتظام و انصرام' قرآنک ریسرچ سنٹر واقع لاہور میڈیکل ہاؤسنگ سوسائٹی میں کیا گیا تھا۔ اسی خوبصورت عمارت کے الباری آڈیٹوریم میں ''قوموں کی تعمیر فکر سے ہوتی ہے ہنگاموں سے نہیں'' کے موضوع پر سیمینار منعقد کیا جانا تھا۔

۲۲ اپریل ہی کے طلوع آفتاب کے ساتھ قرآنک ریسرچ سنٹر' لاہور میڈیکل ہاؤسنگ سوسائٹی میں احباب کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ دور دراز کی بزموں

کے نمائندے مختلف ٹرینوں اور بسوں سے سارا دن لاہور آتے رہے' لاہور پہنچ کر' دور افتادہ کنونشن گاہ کو تلاش کرنا بھی کوئی آسان مرحلہ نہیں تھا' تاہم یہ کٹھن مرحلہ بھی کسی نہ کسی طور سر ہوتا رہا۔ قرآنک ریسرچ سنٹر کے مختلف وسیع و عریض ہالوں میں قالینوں کا سلسلہ پھیلتا چلا گیا' احباب ایک دوسرے سے بغل گیر ہوکر زبان حال سے کہتے:

مَیں جب بھی تجھ سے مِلا جیسے پہلی بار مِلا
بڑا سرور ملاقاتِ گاہ گاہ میں ہے

معزز مندوبین کے استقبال کے لئے محترم پرویز انور شیخ' اعجاز احمد اور محمد اعجاز الحق موجود تھے۔ بعدازاں چیئرمین ادارہ اور خاکسار راقم بھی کنونشن گاہ پہنچ گئے۔ احباب کا سرگرمی سے استقبال کرتے رہے۔ ۲۲ اپریل کی رات کو کھانے کا اہتمام کیا گیا۔ چائے مسلسل چلتی رہی اور زمیلان گرامی ایک دوسرے سے رات گئے تک تبادلۂ خیالات کرتے رہے۔

سیمینار

۲۳ اپریل ۲۰۰۶ء بروز اتوار صبح ۱۰ بجے سے دوپہر ۲ بجے تک سیمینار بعنوان ''قوموں کی تعمیر فکر سے ہوتی ہے ہنگاموں سے نہیں'' انعقاد پذیر ہونا تھا۔

خوبصورت الباری آڈیٹوریم ہال کھچا کھچ بھر چکا تھا۔ راستوں' راہ داریوں اور سیڑھیوں تک لبالب بھر گئے تھے۔ اسٹیج سیکریٹری کے فرائض عاطف طفیل صاحب نے سنبھالتے ہوئے پروگرام کے آغاز کا اعلان کیا۔ تلاوت کے لئے محترم فضل الحنان صاحب فاضل درسِ نظامی کو دعوت دی۔ فضل الحنان صاحب نے سورہ الحشر کی آیات' جن میں اللہ تعالیٰ کے بہت سے صفاتی نام مذکور ہوئے ہیں' تلاوت کیں' جس سے ہال میں ایک وجد کی سی کیفیت پیدا ہوگئی۔ بعدازاں مدحتِ رسول خاتمی مرتبت کے لئے خاکسار راقم کو دعوت دی گئی۔ خاکسار نے معراجِ انسانیت سے نعتیہ شاہکار نثر پارہ تحت اللفظ پڑھ کر سنایا۔ راقم کے بعد محترم پرویز بشیر صاحب کو دعوتِ خطاب دیتے ہوئے محترم عاطف طفیل صاحب نے سیمینار کے موضوع پر تمہیداً روشنی ڈالی کہ قرآن کریم میں بیسیوں جگہ عقل وفکر سے کام لینے کا حکم دیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں انہوں نے حضور اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ سے بھی عقل وفکر سے کام لینے کی اور عقل وفکر کو دعوت دینے کی مثالیں پیش کیں اور اس کے ساتھ ہی انہوں نے جدید ترین نفسیات دانوں کے حوالے بھی پیش کئے۔

محترم پرویز بشیر صاحب نے فرمایا کہ جس موضوع پر پرویز صاحب لکھ چکے ہوں اس پر مزید کچھ کہنا یا بولنا آسان نہیں ہے تاہم میں اس عنوان پر بیرون ملک اپنے تجربوں کے تناظر میں روشنی ڈالنے کی کوشش کرتا ہوں۔ انہوں نے بتایا کہ نائن الیون کے موقع پر وہ امریکہ میں زیر علاج تھے۔ وہاں مختلف ڈاکٹروں اور دیگر لوگوں سے گفت وشنید رہتی تھی۔ ایک امریکی نے ۹/۱۱ کے بارے

پوچھا تو انہوں نے اس کو بتایا کہ یہ واقعہ برا ہے لیکن اس سے یہ مطلب نہیں نکلتا کہ اسلام دہشت گردی کی حمایت کرتا ہے۔ اس نے کہا ٹھیک ہے لیکن کراچی میں چند روز قبل ایک امام بارگاہ میں چالیس آدمی مارے گئے ہیں اور لاتعداد زخمی ہوئے یہ Violance نہیں تو کیا ہے۔ اس نے کہا کہ یہاں بھی تو مختلف فرقوں کے چرچ ہیں لیکن یہ اب ایک دوسرے سے نہیں لڑتے۔ ایسے واقعات پر امریکی حکومت اور میڈیا اپنے لوگوں سے کہتی ہے کہ دیکھو یہ لوگ تو اپنے ہی ہم مذہبوں کو مار ڈالتے ہیں اگر ان کے پاس کچھ آ گیا تو کیا یہ ہمیں چھوڑیں گے۔ اس لئے کیا ان کو کنٹرول نہیں کرنا چاہئے؟ ایک کالے امریکی کا واقعہ بھی انہوں نے سنایا کہ وہ کہہ رہا تھا کہ ''جب ہم افریقیوں کو جانوروں کی طرح پکڑ کر غلام بنا کر یورپ اور امریکہ لایا جا رہا تھا اس وقت مسلمانوں کی خلافت' سلطنت عثمانیہ موجود تھی کیا اس دور میں اس سلطنت نے یا کسی ایک بھی مفتی یا عالم نے کوئی ایک بھی بیان دیا کہ ان بے چارے افریقیوں کو غلام نہ بناؤ۔ کسی مسلمان کی کوئی ایک بھی سٹیٹمنٹ/ بیان دکھا دو۔ تمہاری فقہ میں تو ابھی تک بھی غلامی کو جائز سمجھا جاتا ہے۔'' انہوں نے کہا کہ میرے پاس تو ان سوالوں کا جواب نہیں تھا' آپ کے پاس ہو تو مجھے بتا دیں۔

پرویز بشیر صاحب کے بعد عاطف طفیل صاحب نے مائیک سنبھالا اور افکار پرویز اور قرآنِ کریم کے حوالوں سے عقل وفکر کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے محترم پروفیسر سید اعجاز احمد کو مقالہ پڑھنے کی دعوت دی۔

محترم پروفیسر صاحب نے سب سے پہلے قوم کے لفظ کی تشریح وتعبیر خوبصورت انداز میں قرآن کریم کی روشنی میں پیش کی' اسی طرح انہوں نے لفظ تعمیر' فکر اور ہنگامہ کا عالمانہ سطح پر جائزہ لیا اور موضوع زیر بحث پر' پرمغز مقالہ پیش کیا۔ پروفیسر سید اعجاز احمد کے بعد محترم عاطف طفیل صاحب نے ڈاکٹر انعام الحق صاحب کو دعوتِ اظہار خیال دی۔ انہوں نے اپنا تحریری مقالہ پیش کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے ''علمائے مغرب کا نظریۂ خیر وشر: قرآن کریم کی روشنی میں'' کے موضوع پر تحقیقی مقالہ لکھ کر ڈاکٹریٹ کی سند حاصل کی ہے۔ انہوں نے اپنی ریسرچ کے دوران آنے والی مشکلات کو دلچسپ پیرائے میں بیان کیا۔ انہوں نے بتایا کہ کس طرح یونیورسٹیوں میں ریسرچ سکالرز کو فکر پرویز سے احتراز برتنے کی تلقین کی جاتی ہے اور رکاوٹیں پیدا کی جاتی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ''ملا'' صرف ''مکتب'' ہی میں نہیں ہوتے بلکہ یونیورسٹیوں میں بھی ہوتے ہیں۔

ڈاکٹر انعام الحق صاحب کے مقالے کے بعد عاطف طفیل صاحب نے محترم فضل الحنان صاحب درسِ نظامی کو دعوت خطاب دی۔ فضل الحنان صاحب نے قرآن مجید کی آیات مبارکہ کی رو سے' انسانی شخصیت کی بنیاد غور و فکر ہی کو قرار دیا۔ بتایا کہ انسانی ذات کی نشوونما غور وفکر

سے ہی ہوتی ہے۔غور وفکر کے بغیر انسانی ذات کی ترقی رک جاتی ہے اسی لئے **تتفکرو** کا حکم دیا گیا ہے۔ترقی یافتہ ذات کے حامل افرادِ انسانیہ ہی قوم' ملت یا نوع انسانی کو بلندیوں پر لے جاتے ہیں۔

محترم فضل الحنان صاحب کے بعد محترمہ صالحہ نغمی صاحبہ کو دعوت خطاب دی گئی۔ صالحہ نغمی صاحبہ بزم خواتین لاہور کی نمائندہ ہیں اور محترمہ ثریا عندلیب مرحومہ کی دختر نیک اختر ہیں۔ انہوں نے اپنی والدۂ محترمہ ثریا عندلیب صاحبہ کے تین مختلف مضامین میں سے' موضوع زیر بحث سے متعلقہ اقتباسات پڑھ کر سنائے جسے قارئین نے پسند کیا۔

محترمہ صالحہ نغمی صاحبہ کے بعد تقریب کے مہمان خصوصی' تحریک طلوع اسلام کے وائس چیئرمین اور بزم طلوع اسلام کویت کے نمائندہ جناب عبیدالرحمٰن ارائیں صاحب کو دعوت دی گئی۔انہوں نے فرمایا کہ میں کوئی تحریر یا تقریر تو تیار نہ کر سکا ویسے بھی وقت کی قلت ہو رہی ہے البتہ یہ ضرور کہوں گا کہ یہ جو موضوعِ سیمینار ہے'' قوموں کی تعمیر فکر سے ہوتی ہے'' صرف اسی وجہ سے تو ہم طلوع اسلام میں شامل ہوئے ہیں کہ یہ تحریک ہماری فکر کو جلا بخشتی ہے اور ذہنوں کو منور کرتی ہے۔ ہر عمل کی بنیاد فکر پر ہی ہوتی ہے اور فکرِ صحیح کے بغیر آپ صحیح منزل کی طرف پیش قدمی نہیں کر سکتے۔

آخر میں صدرِ تقریب' چیئرمین ادارہ محترم محمد شریف لون صاحب کو دعوت خطاب دی گئی۔ انہوں نے تمام مقررین اور مقالہ نگاروں کے خیالات کا فرداً فرداً جائزہ لیا۔محترم عبیدالرحمٰن ارائیں اور راشد علی صاحب (قطر) کا کنونشن کے ضمن میں تعاون پر شکریہ ادا کیا۔اس کے علاوہ انہوں نے غلام باری صاحب کا ادارہ کی بلڈنگ کے ضمن میں مالی استعانت کو زبردست خراج تحسین پیش کیا اور یہ مصرعہ پڑھا کہ

ع ہم سے دیوانوں کے تاریخ میں نام آنے ہیں

چیئرمین ادارہ کی خواہش کے بموجب محترم پروفیسر محمد آصف اور محترم قدیر احمد خان نمائندہ بزم کوئٹہ کو بھی خیالات کے اظہار کا موقعہ دیا گیا۔محترم پروفیسر محمد آصف صاحب نے بتایا کہ انہوں نے'' نظام ربوبیت'' نامی کتاب پڑھنے کے بعد اسے عملی طور پر نافذ کرنے کی کوشش کی اس کے لئے انہوں نے انفاق ویلفیئر ٹرسٹ کے زیرِ اہتمام ایک انٹرسٹ فری کریڈٹ بینک قائم کیا ہے جو غریب لوگوں کو کاروبار کے لئے چھوٹے چھوٹے بلا سود قرضے جاری کرتا ہے۔ اس کوشش کو حکومت پنجاب و پاکستان نے بھی سراہا ہے۔

آخر میں محمد اشرف ظفر صاحب نے ادارہ کی طرف سے سب احباب کی تشریف آوری کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ دیگر احباب کے مالی تعاون کے علاوہ خاص طور پر محترم غلام باری صاحب کی طرف سے قرآنک ریسرچ

سنٹر کی یہ بلڈنگ تحریک طلوع اسلام کے لئے ایک بہت بڑا تحفہ ہے جس کے لئے میں بزم طلوع اسلام لاہور کے تمام صاحبان کا دلی طور پر مشکور ہوں۔ اب بلڈنگ کی اس تعمیر کے بعد اصل مقصد اس کو صحیح خطوط پر استعمال میں لانے کا ہے وہ اس لئے کہ اگر مملکت پاکستان کی طرف سے ہمیں اسلام آباد کا سیکریٹریٹ بھی دے دیا جائے تو سوال یہی پیدا ہوگا کہ آخر اس کو استعمال کرنے کے لئے کون سا احسن طریق ہوگا کہ جس سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کیا جائے۔

اس کے بعد عاطف طفیل صاحب نے ظہر کی نماز اور کھانے کے وقفے کا اعلان کیا۔ احباب کو نماز کے بعد کھانا پیش کیا گیا۔ کھانا کھانے اور چائے نوش کرنے کے بعد پروگرام کا دوسرا حصہ شروع ہوا۔ محترم عاطف طفیل صاحب نے ''اپنا حلقۂ اثر بڑھایئے'' کے عنوان سے ایک ٹریننگ ورکشاپ منعقد کی۔ جس میں انہوں نے جدید ترین میتھڈ استعمال کرتے ہوئے اراکین بزم ہائے طلوع اسلام کو گفتگو کرنے اور اپنا مدعا بیان کرنے کے شستہ اور شائستہ طریقے بتائے۔ اس پروگرام میں پروجیکٹر بھی استعمال کیا گیا اور آخر میں سوال و جواب کی نشست بھی بہت دلچسپ رہی۔ احباب نے اس پروگرام کو بہت سراہا اور اس کو جاری رکھنے کی تجاویز دیں۔

ٹریننگ ورکشاپ کے بعد احباب کو رات کا کھانا پیش کیا گیا۔ دوسرے دن یعنی ۲۴ اپریل کو صبح ۱۰ بجے ادارہ طلوع اسلام کی جنرل کونسل کا اجلاس چیئرمین ادارہ محمد شریف لون صاحب کی صدارت میں منعقد ہوا اور دوپہر ڈیڑھ بجے تک جاری رہا۔ جس کی کارروائی کی روداد علیحدہ سے ہر بزم کو روانہ کر دی گئی ہے۔ ۲۴ اپریل کی سہ پہر کو احباب واپس جانے کی تیاریوں میں مصروف ہوگئے۔ جب احبابِ گرامی اپنے اپنے شہروں اور علاقوں کی طرف رخصت ہونے لگے تو زبانِ حال پر غالب کا یہ شعر آ کر رہ گیا ؎

وداع و وصل جداگانہ لذتے دارد
ہزار بار برو صد ہزار بار بیا

(یعنی جدائی کا ایک اپنا مزا ہے اور ملنے کی ایک اور ہی لذت ہے۔ اس لئے اے دوست تو ہزار بار جدا ہو اور لاکھ بار ملنے کے لئے آ۔)

☆☆☆☆☆☆☆☆

مطالب الفرقان فی دروس القرآن

کے سلسلے کی

29ویں اور 30ویں پارہ

پر مشتمل **جلد** رواں ماہ کے آخر تک چھپ کر تیار ہو جائے گی۔

(نمائندہ بزم طلوع اسلام لاہور)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد شریف لون، چیئرمین ادارہ

استقبالیہ خطاب

(ادارہ طلوع اسلام کے سالانہ کنونشن 2006ء کے موقع پر چیئرمین ادارہ نے وقت کی قلت کے باعث بہت اختصار سے کام لیا جس کے باعث یہ تحریر پڑھی نہ جا سکی۔ اب اسے قارئین طلوع اسلام کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔ ادارہ)

تیرے نام سے ابتدا کر رہا ہوں
تجھی کو اللہ جانتا ہوں تجھی کو اللہ مانتا ہوں

یارانِ میکدہ سلام ورحمت۔

یہ ساعت کس قدر سعید اور یہ لمحۂ زندگی کتنا حسین اور دلگداز ہے کہ آپ احباب ایک طویل مدت کے بعد اپنے ولولۂ شوق کو دلوں میں لئے پھر یکجا ہوئے ہیں کہ کچھ وقت کے لئے کشاکشِ روزگار سے الگ ہٹ کر بیٹھیں اور سوچیں کہ خدائے لم یزل کی وہ شمعِ جہاں تاب جسے صدیوں سے پیرانِ حرم کی مقدس آستینوں نے چراغِ تہِ داماں بنا رکھا ہے۔ کس طرح پھر سے وجہِ نورانیتِ عالم بنے۔ کس قدر خوبصورت ہیں یہ آرزوئیں جو آپ کو اتنے دور دراز سفر کے بعد کشاں کشاں یہاں لے آئی ہیں اور کیسا عظیم ہے وہ مقصد جس کے لئے آپ نے یہ تکلیفیں برداشت کی ہیں۔ چند ماہ پہلے میرا ایک دوست طویل سفر کے بعد ایک رات کے لئے میرا مہمان بنا۔ اس نے انکشاف کیا کہ برطانیہ کے محکمہ CID کے ایک بہت بڑے افسر مسٹر ہمفرے کی ڈائری اس کی نظر سے گذری ہے۔ جس میں کہیں لکھا ہے کہ حکومت نے انٹیلی جنس ڈیپارٹمنٹ کو ہدف دے رکھا ہے کہ ایک سو سال کے عرصہ میں اسلام کو دنیا بھر سے ختم کرنا ہے۔ اس مقصد کے لئے ہر سال بجٹ میں کثیر رقم مخصوص کی جاتی ہے۔ مجھے یہ تو نہیں پتہ چل سکا کہ یہ ۱۰۰ سالہ مدت کب ختم ہو رہی ہے۔ مگر میں اتنا محسوس کر رہا ہوں کہ وہ اپنے حصولِ مقصد کے لئے بڑی تگ و دو کر رہے ہیں۔ آپ کو بھی معلوم ہی ہوگا کہ برٹش گورنمنٹ اپنی یونیورسٹیوں میں تفسیرِ قرآن اور علمِ حدیث پر پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگریاں جاری کر رہی ہے اور ڈاکٹریٹ کرنے والوں کو اپنے فنڈ سے سکالرشپ

بھی دے رہی ہے۔ علاوہ ازیں غزالی۔ رومی۔ شاہ ولی اللہ اور ائمہ فقہاء پر بھی پی۔ ایچ۔ ڈی کرائی جاتی ہے۔ یہی لوگ دنیائے اسلام میں کلیدی عہدوں پر فائز ہوتے ہیں۔ ۱۹۸۳ء میں مدینہ یونیورسٹی اور مکہ المکرّمہ کی جامعہ ام القریٰ کے دونوں وائس چانسلروں نے لندن سے حدیث اور تفسیر میں پی۔ ایچ۔ ڈی کر رکھا تھا۔ برطانوی یونیورسٹیوں میں بھی نصاب ہمارے دارالعلوموں سے ہی مشابہت رکھتا ہے۔ اس کی یکسانیت کی وجہ تو میں پہلے ہی بتا چکا ہوں۔ عباؤں۔ قباؤں میں ملبوس امام الامت اور شیخ الاسلام کہلانے والوں سے درخواست کروں گا کہ وہ اپنے مدارس کے نصاب میں تفسیر بالقرآن کو قرآن فہمی کا ذریعہ تسلیم کریں اور شامل کریں۔ آیت ۶/۱۱۴ میں ارشاد ہے۔ اللہ وہ ذات ہے جس نے تمہاری طرف تفصیل کی ہوئی کتاب نازل کی ہے۔ ۱/۱۱ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ قرآن ایسی کتاب ہے۔ جس کی جملہ آیات نہایت پختہ اور مضبوط ہیں اور وہ تفصیل کی ہوئی ہیں ایسی ہستی کی طرف سے جو حکیم بھی ہے اور خبیر بھی ہے ۶/۱۰۵ میں ہے کہ ہم آیات قرآنی کو ایسے دہرا دہرا کر لائیں گے کہ سننے والے پکار اٹھیں گے کہ مسئلہ بالکل حل ہو گیا۔ سمجھ میں آ گیا۔ مزید ارشاد ہے کہ ہماری تفسیر کو یعنی قرآن کی تفسیر قرآن سے وہ لوگ قبول کریں گے جن کے دلوں میں ایمان ہوگا۔ جو لوگ مومن ہوں گے۔

تصویر کا دوسرا رخ پیش کرنے کے لئے نواب راحت سعید خان چھتاری صاحب کی یادداشتوں سے ایک واقعہ عرض کروں گا۔ موصوف ۱۹۴۰ء کی دہائی میں اتر پردیش کے گورنر تھے۔ ایک بار انہیں سرکاری ڈیوٹی پر لندن بلایا گیا۔ ان کے ایک انگریز دوست نے جو ہندوستان میں کلکٹر رہ چکا تھا۔ سیر کی دعوت دی۔ ان کے لئے خصوصی پاس بنوائے گئے اور وہ لندن کے مضافات میں بڑی پتلی سڑکوں پر ہوتے ہوئے مخصوص جگہ پر پہنچے تو ایک وسیع عمارت میں داخل ہوئے۔ وہاں پر انہوں نے باریش نوجوانوں کو عربی لباس میں ملبوس اور عربی لہجے میں آپس میں گفتگو کرتے دیکھا اور کچھ سوال کرنا چاہا تو انہیں بتا دیا گیا کہ سوال پوچھنے کی اجازت نہیں ہے۔ آپ کو صرف دیکھنے کے لئے لایا گیا ہے۔ انہوں نے کسی کمرے میں قرأت۔ کہیں حدیث بخاری شریف اور کہیں تفسیر کا درس ہوتے دیکھا۔ کسی کمرے میں فقہی مسائل پر بحث ہوتے دیکھی اور کسی کمرے میں مسلم عیسائی مناظرہ ہوتے بھی دیکھا۔ غرض ہمارے کسی بھی دارالعلوم میں رائج ماحول مکمل طور پر وہاں موجود تھا۔ بعض نوجوان انگریزی میں بھی سوال پوچھتے تھے۔ پھر وہی سوال عربی میں اور دیگر زبانوں میں دہراتے تھے۔ ان کو بالترتیب ہر زبان میں جواب دیا جاتا تھا۔ کسی نوجوان نے پوچھ لیا کہ اس کے متعلق قرآن کیا کہتا ہے تو جواب دیا گیا۔ یہاں قرآن ڈسکس نہیں ہوسکتا۔ روایات

اور احادیث سے حوالہ دیا جائے گا۔ نواب صاحب کے استفسار پر سابقہ انگریز کلکٹر نے جواب دیا کہ یہاں کوئی بھی مسلمان نہیں ہے۔ یہ سب عیسائی ہیں۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد انہیں مسلمان ملکوں میں خصوصاً مشرق وسطیٰ، ترکی، ایران اور ہندوستان (۱۹۴۰ء کے برصغیر) میں بھیج دیا جاتا ہے۔ وہاں پہنچ کر یہ کسی بڑی مسجد میں جا کر نماز میں شریک ہو جاتے ہیں۔ نمازیوں سے کہتے ہیں کہ وہ یورپی مسلمان ہیں۔ انہوں نے مصر کی جامع الازہر میں تعلیم حاصل کی ہے۔ مکمل عالم ہیں۔ یورپ میں اتنے اسلامی ادارے موجود نہیں ہیں جہاں وہ تعلیم دے سکیں۔ وہ سردست تنخواہ نہیں چاہتے۔ صرف کھانا پینا، کپڑا اور سر چھپانے کی جگہ درکار ہے۔ پھر وہ موذن، پیش امام، بچوں کے لئے قرآن کے معلم کی خدمات پیش کرتے ہیں۔ تعلیمی ادارہ ہو تو اس میں استاد مقرر ہو جاتے ہیں۔ جمعہ کے خطبے تک دیتے ہیں۔

نواب صاحب کے انگریز میزبان نے انہیں یہ کہہ کر حیران کر دیا کہ اس عظیم مدرسے کا بنیادی ہدف یہ ہے کہ:

> مسلمانوں کو روایات، ذکر کے وظیفوں اور نظری مسائل میں الجھا کر قرآن سے دور کر دیا جائے اور حضور پاک (ﷺ) کا درجہ جس طرح بھی ہو سکے گھٹایا جائے۔ کبھی یہ کہو آپ (نعوذ باللہ) جادو زدہ تھے۔ انہوں نے چھ سال کی بچی سے نکاح کر لیا تھا اور یہ کہ آپ ہر رات اپنی گیارہ بیویوں کا دورہ فرمایا کرتے تھے۔ اس انگریز نے یہ بھی بتایا کہ ۱۹۲۰ء میں ''رنگیلا رسول'' نامی کتاب راجپال سے اسی ادارہ نے لکھوائی تھی۔ کئی برس پہلے مرزا غلام احمد قادیانی اور بہاءاللہ کو نبی بنا کر کھڑا کرنے والا بھی یہی ادارہ تھا اور ان کی کتابوں کی بنیاد لندن کی اسی عمارت سے تیار ہو کر جاتی تھی۔

رفیقانِ گرامی قدر۔ میں نے آپ کے سامنے اسلام کے خلاف سازشوں میں سے صرف ایک کا ذکر کیا ہے اور وہ بھی مختصر ترین الفاظ میں۔ اگر آپ اس کی تفصیل جاننا چاہیں تو میں آپ میں موجود ہوں۔ مکمل تفصیلات بتا دوں گا۔ اگر کوئی پوچھ بیٹھے کہ آپ لوگوں کو ان سازشوں کا علم ہے۔ آخر آپ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ اس کا دو حرفی جواب تو یہ ہے کہ ملک بھر میں مذہبی پیشوائیت کا دور دورہ ہے۔ یہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ سب سے خطرناک حادثہ وہ ہوتا ہے جب جہالت میدان عمل میں اتر آئے۔ آپ ملکی ذرائع ابلاغ کا جائزہ لیں تو بات آپ کی سمجھ میں آ جائے گی۔ مفاد پرست لیڈروں نے ہماری جذباتی قوم کو اس قدر ہنگاموں کا خوگر بنا دیا ہے کہ لوگوں کے ذہن سے فکر اور سوچ کی اہمیت کم ہو چکی ہے۔ حالانکہ فکری تغیر کے بغیر خارجی ماحول میں کبھی تبدیلی پیدا نہیں ہو سکتی۔ ہم نے قوم کے دل میں فکر کی اہمیت کا کچھ احساس پیدا کر دیا ہے۔ ہمارے ہاں

صدیوں سے اسلام کو مذہب سمجھا جاتا تھا۔ مذہب سے مراد ہوتا ہے خدا اور بندے کے درمیان پرائیویٹ تعلق جو لفظی عقائد اور رسمی عبادات کے ذریعہ قائم ہوتا ہے۔ ہم نے یہ آواز بلند کی کہ اسلام مذہب نہیں دین ہے۔ دین سے مفہوم ہوتا ہے مکمل ضابطۂ حیات جو زندگی کے ہر شعبہ کو محیط ہوتا ہے۔ اسے نظام مملکت بھی کہا جاتا ہے۔ مذہب کا تو لفظ ہی قرآن مجید میں نہیں ہے۔ مذہب پرست طبقہ کی طرف سے اس کی سخت مخالفت ہوئی۔ لیکن آج ہر شخص اسلام کو دین کہہ کر پکارتا ہے اور اسلامی نظام قائم کرنے کو اسلام کا مقصد قرار دیتا ہے۔

II- ہم نے کہا تھا کہ اسلامی مملکت کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ وہ تمام افراد معاشرہ کی بنیادی ضروریاتِ زندگی روٹی، کپڑا، مکان، صحت اور تعلیم وغیرہ کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ مذہب پرست طبقہ نے اس کی بھی مخالفت کی۔ آج ان کی زبان سے ہم سن رہے ہیں کہ اقتدار میں آکر وہ افراد معاشرہ کی بنیادی ضروریات بہم پہنچانے کی ذمہ داری اپنے اوپر لیں گے۔

III- ہم کہتے تھے کہ جب تک وسائلِ پیداوار حکومت کی تحویل میں نہ ہوں اسلامی مملکت اپنی اس عظیم ذمہ داری کو پورا نہیں کرسکتی۔ اس بنا پر ذاتی ملکیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہمیں کمیونسٹ کہا گیا۔ مگر آج مذہبی پیشوائیت ذاتی ملکیت کے رقبوں کو کم کرنے کو عین اسلام قرار دے رہی ہے۔

یہاں تک تو لگا لائے ہیں ہم رستے پہ زاہد کو
کہ سمجھاتا ہوا اب تا درِ مے خانہ آتا ہے

IV- تشکیل پاکستان کے بعد سب سے اہم سوال مملکت کے لئے اسلامی قوانین کا مرتب کرنا تھا۔ ۱۹۵۱ء میں ۳۱ علماء پر مشتمل ایک مجلس نے قرارداد پاس کی کہ مملکت کے قوانین کتاب و سنت کی بنیاد پر مرتب کئے جائیں گے۔ طلوع اسلام نے دعویٰ کیا کہ پبلک لاز کا کوئی ایسا ضابطہ تمام فرقوں کو منظور نہیں ہوگا۔ ایسا ضابطہ صرف قرآن مجید کی بنیاد پر مرتب ہوسکتا ہے۔ ایک ہزار بڑے بڑے مولوی صاحبان نے کفر کا فتویٰ جاری کردیا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ان سب مولویوں پر دیگر مولویوں نے کفر کے فتوے لگا رکھے تھے۔ مگر ۲۰ سال کی مخالفت کے بعد مذہبی پیشوائیت کی ایک بڑی شخصیت جناب مودودی صاحب مرحوم نے اپنی جماعت کے ترجمان ہفتہ وار ایشیا کی ۲۳ اگست ۱۹۷۰ء کی اشاعت میں یہ اعلان کیا کہ کتاب و سنت کی بنیادوں پر پبلک لاز کا کوئی ایسا ضابطہ مرتب نہیں کیا جاسکتا جو مختلف فرقوں کے نزدیک متفقہ طور پر اسلامی قرار پائے۔ ایسی اور بھی کئی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ مگر میں یہ ہی کہوں گا

یہ ٹھیک ہے نہ موڑ سکے آندھیوں کے رُخ
یہ تو ہوا کہ ان کے مقابل ٹھہر گئے

میرے واجب الاحترام رفیقو۔ بھائیو اور بہنو

بیٹیو۔ہم قرآن کے داعی ہیں۔ بے خبر لوگ سنی سنائی باتوں پر ہمیں منکرِ حدیث کہہ دیتے ہیں حالانکہ ہم ہر اس حدیث نبوی کو تسلیم کرتے ہیں جو قرآن کے مطابق ہو اور جس کی وجہ سے انبیاء کرام یا صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کی ذات پر کیچڑ نہ اچھالا گیا ہو۔کئی برسوں تک طلوع اسلام کے ٹائٹل پیج پر سچے موتی کے عنوان سے حدیثیں پیش کی جاتی رہی ہیں۔ان احادیث کے متعلق جو صریحاً قرآن مجید کی آیات کے خلاف ہوں ہمارا کہنا یہ ہے کہ حضور ﷺ کا کوئی قول قرآن کے خلاف نہیں ہوسکتا۔لہٰذا ایسی حدیثیں راویوں نے غلطی سے رسول پاک ﷺ سے منسوب کردی ہیں۔

دکھائی راویوں نے طبع کی جولانیاں کیا کیا
ہوئی ہے کیا سے کیا جب انجمن تک بات پہنچی ہے

اس ضمن میں حضرت عمر خطابؓ کا ذکر کرنا مناسب ہوگا۔ انہوں نے فرمایا تھا کہ **حسبنا کتاب اللہ**۔اس کا موازنہ قرآن مجید کی آیت مبارکہ ۱۵/۱۰ کے ساتھ کریں۔ یعنی اس قرآن کی جگہ کوئی دوسری کتاب لاؤ یا اس میں کوئی تبدیلی کرو تو اللہ پاک نے ایسے لوگوں کے لئے فرمایا دیکھئے آیت ۵۱/ ۲۹ یعنی کیا ان کے لئے یہ کافی نہیں ہے کہ ہم نے تیری طرف یہ کتاب نازل فرمائی۔

حضرت عمرؓ کے قول اور آیات قرآنی پر غور فرمائیں کہ کوئی فرق نظر آتا ہے؟

احادیث کے ضمن میں امام ابو حنیفہؒ کا ذکر بھی دلچسپی کا باعث ہوگا۔ وہ فقہ کے امام تھے۔ ان کے پیروکاروں کی تعداد دنیا میں دیگر مسالک کے مقابلہ میں سب سے زیادہ ہے۔ان کی فقہ کا دارومدار قیاس پر ہے۔ قیاس کا مطلب ہی یہ ہے کہ قرآن مجید کے اصولوں کی روشنی میں اپنے اجتہاد سے جزئیات مرتب کریں۔انہوں نے اپنی فقہ کی تدوین میں حدیثوں سے سب سے کم مدد لی ہے۔اسکی یہ وجہ نہیں کہ انہیں حدیثیں مل نہیں سکتی تھیں۔ وہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۵۰ھ تک زندہ رہے۔ اس زمانہ میں احادیث کا جمع کرنا آسان تھا۔امام بخاریؒ متوفی ۲۵۶ھ نے تو بہت بعد میں یہ سلسلہ شروع کیا۔

امام بخاریؒ نے چھ لاکھ کے قریب حدیثیں جمع کیں اور ان مین سے صرف ۷۳۰۰ کو اپنی کتاب میں لکھا۔ باقی پانچ لاکھ ۹۳ ہزار کو مسترد کردیا۔اس طرح سب سے بڑے منکر حدیث تو وہ ہیں۔احادیث کے دیگر مجموعوں کے متعلق اتنا ہی بتا دینا کافی ہے کہ چھ مستند ترین کتب احادیث کے مصنفوں میں کوئی بھی عرب شامل نہیں ہے۔سب کے سب ایرانی ہیں۔

مولانا عبیداللہ سندھی قدرے روشن خیال شخصیت کے حامل تھے۔انہوں نے فرمایا کہ میں حدیث بخاری کسی یورپین نو مسلم کو نہیں پڑھا سکتا۔ اس کی وجوہات/تفصیلات میں مجلس عام میں نہیں بتا سکتا۔

طلوع اسلام کی کوئی بھی تحریر ہو قاری پر ان مٹ

نقش چھوڑ جاتی ہے۔ جب کہ کسی بھی دوسرے سکالر میں یہ بات نہیں ہے۔ وہ کہانیوں سے مضمون شروع کرتے ہیں اور اسی طرح ختم کر دیتے ہیں۔ قاری کے پلے کچھ نہیں پڑتا۔ مگر واہ واہ ہوتی رہتی ہے۔ میں اس ضمن میں ایک واقعہ مختصر الفاظ میں پیش کرنے کی اجازت چاہوں گا۔ ہمارے ہاں خواتین کے لئے ایک لیکچر کا اہتمام کیا گیا۔ سامعین میں ۹۹ فیصد عورتیں ہی تھیں۔ پردے کا خاص اہتمام تھا۔ باوجود اس کے کہ کسی مرد کو مدعو نہیں کیا گیا تھا۔ مگر پھر بھی ڈرائنگ روم میں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ تمام مرد حضرات فرش پر بیٹھے تھے۔ فاضل مقرر نے نصف گھنٹہ کے لیکچر میں صرف یہ بتایا کہ رسول پاک ﷺ کے گھوڑے کا یہ نام تھا۔ خچر کا یہ نام تھا۔ اونٹ۔ تلوار۔ نیزے ہر چیز کا نام گنوایا گیا۔ یہ ساری تقریر ہی اس موضوع پر تھی۔ حضور ﷺ کی شاید ہی کوئی ذاتی چیز رہ گئی ہوگی۔ جس کا نام نہ بتایا گیا ہو۔ تقریر ختم ہونے پر میں نے فاضل مقرر سے پوچھ ہی لیا کہ حضور ﷺ کی زندگی کے کچھ واقعات بیان کئے جانے چاہئیں تھے تاکہ لوگ عمل پیرا ہوں۔ آخر ان کی ذاتی اشیاء کی فہرست بنانے میں کیا تک ہے۔ ان کے مداحوں نے مجھے کہا۔ لون صاحب چھوڑیں ان باتوں کو۔ ابھی علامہ صاحب نے یونیورسٹی میں جا کر تقریر کرنا ہے۔ یہ تو حضور ﷺ سے عشق اور عقیدت کی باتیں ہیں۔ فاضل مقرر نے زرعی یونیورسٹی فیصل آباد میں جا کر وہی تقریر دہرا دی۔ وہاں بھی کسی منچلے نے وہی سوال کر دیا۔ جو میں نے کیا تھا۔ مگر ایسی باتوں کے جوابات یہ نہیں دیا کرتے۔ ان کے معتقد ایسے سوالات کرنے کی اجازت بھی نہیں دیتے۔ جس شخصیت کا میں نے ذکر کیا ہے وہ تبلیغی جماعت کے صف اول کے لیڈر شمار ہوتے ہیں۔ ایسے ہی لوگ ذرائع ابلاغ پر قابض ہیں۔ یہ لیڈر قسم کے لوگ دوروں پر یورپ اور امریکہ بھی جاتے ہیں۔ وہاں فسادات بھی کرواتے ہیں۔ مسجدوں کو تالے بھی لگواتے ہیں۔ میں ۱۹۶۰ء تا ۱۹۶۵ء سرگودھا میں رہائش پذیر تھا۔ وہاں ہمارے ایک دوست ہاشمی صاحب ہومیو پیتھک ڈاکٹر تھے۔ ان سے تبادلہ خیالات ہوتا رہتا تھا۔ ان کی ایک بیٹی کو برٹش گورنمنٹ نے گلاسگو سے حدیث میں پی۔ ایچ۔ ڈی کرنے کے لئے وظیفہ دیا۔ وہ شاید جامع ازہر بھی تشریف لے گئیں۔ دونوں جگہ کورس تو ایک ہی تھا۔ میرے خیال میں وہ بہت بڑی ماہر نفسیات بھی ہیں۔ انہوں نے خواتین کے ایک بہت بڑے حصے کو اپنا مرید بنا لیا ہے۔ روپیہ پیسہ تو عورتوں کے پاس ہی ہوتا ہے۔ مرد حضرات جائز ناجائز ذرائع سے جو کچھ بھی کما کر لائیں خواتین خانہ کے ہی حوالے کر دیا جاتا ہے اور وہ عورتیں بڑی فراخدلی سے ان کی تحریک کو چندے دیتی ہیں۔ ان میں اور ملائیت میں بڑا معمولی سا فرق ہے۔ بلکہ وہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ خاتون کی ایک اور بہن بھی اس اکھاڑے میں آ چکی ہے۔ اس نے فیصل آباد کو اپنا مرکز بنایا۔ کیونکہ یہاں ضعیف الاعتقاد خواتین چندے دینے میں

ثانی نہیں رکھتیں۔ دونوں کی پارٹیوں نے مورچہ بندی کر رکھی تھی کچھ لوگوں نے درمیان میں پڑ کر ایک درمیانی راستہ تلاش کر لیا۔ اب دونوں دوکانیں پرامن طور پر چل رہی ہیں۔ میں نے خانۂ مسلم کو جلانے والوں کا جو تھوڑا سا نقشہ کھینچا ہے۔ دنیائے اسلام میں براجمان مذہبی پیشوائیت میں کوئی بھی ان آتشی بگولوں کا مقابلہ کرنے والا نہیں ہے۔ اگر امام بارگاہ میں بم پھٹتا ہے تو چند دن بعد کہیں عید میلاد کے جلسہ میں اس کا جواب دے دیا جاتا ہے۔

یہ جو اِک بھیڑ ہے جلتے ہوئے گھر کے باہر
ان میں کوئی بھی نہیں آگ بجھانے والا

اس موضوع کو ختم کرنے سے پیشتر اہل ایران کے سکالر بیسویں صدی کے مورخ حسین کاظم زادہ کی کتاب (روح ایران در ادوارِ تاریخ) سے صرف ایک اکتساب پیش کروں گا۔

''جس دن سے سعد بن ابی وقاص نے دوسرے خلیفہ کی طرف سے ایران کو فتح کیا تو ایرانی اپنے دل میں انتقام کا جذبہ پالتے رہے انہوں نے یہ المیہ ایک گھڑی کے لئے بھی نہیں بھلایا کہ انہوں نے عرب کے صحرائی لوگوں کے ہاتھوں تختِ فارس گنوایا ہے اور ہمارے بزرگوں نے وہی کیا جو واحد راستہ ان کے لئے بچا تھا۔ پہلے انہوں نے بنو ہاشم کے عباسیوں کو برانگیختہ کر کے بنو امیہ کی حکومت کا خاتمہ کروالیا اور اس کے بعد ہلاکو کو بلا کر عربوں کی عباسی خلافت کا بھی خاتمہ کرایا۔ اس طرح ہمارے بزرگوں نے اپنی شکست کا بدلہ لے لیا۔''

ایسی باتیں فرقہ بندیوں کو ہوا دیتی ہیں۔ طلوع اسلام نے قریباً دس ہزار پمفلٹس ''فرقہ بندیوں کو کس طرح ختم کیا جا سکتا ہے'' بڑے اعلیٰ کاغذ پر چھپوا کر ملک بھر میں بذریعہ ڈاک اہل الرائے اور سنجیدہ پڑھے لکھے افراد کو بھجوائے حکومت سندھ نے یہ پمفلٹ ضبط کر لیا اور اس پر پابندی لگا دی۔ تین چار سال کی کوششوں کے بعد وکلاء کی خدمات حاصل کر کے سندھ ہائی کورٹ سے فیصلہ لیا اور اس پمفلٹ سے پابندی ہٹالی گئی۔

ہمیں ہر ممکن کوشش کرنی چاہئے جس سے فرقہ بندی کا سدباب کیا جا سکے۔ صرف یہی ایک طریقہ ہے۔ جس سے ملکی امن و امان قائم ہوسکتا ہے۔ ورنہ یہ صرف حکومت کے بس کا روگ نہیں ہے۔

عزیزان گرامی قدر۔ آپ قرآن کا پیام لے کر اٹھے ہیں۔ مخالفتوں سے مت گھبرائیں۔ آپ سعی و کوشش جاری رکھیں۔ اگر کچھ لوگ آپ کی بات سننے پر فی الحال آمادہ نہیں ہیں۔ تو حوصلہ مت ہاریں۔ ہوسکتا ہے کہ ہم ہی پوری طرح تیار نہ ہوں۔

اگر اعتبار الفت انہیں ہو سکا نہ اب تک
میں سمجھ گیا یقیناً ابھی مجھ میں کچھ کمی ہے

آپ ذرا جائزہ لیں کہ آپ کی بزموں کے جملہ اراکین رسالہ طلوع اسلام کے خریدار ہیں۔ مجھے تو اس کا یقین نہیں ہے۔ سب سے پہلا قدم یہی ہے کہ ہر بزم کا ہر رکن براہ راست رسالہ کا خریدار ہو۔ اس کا اپنا خریداری نمبر ہو۔ جس کی ہر سال تجدید ہوتی رہے۔ سال کے ۱۷۰ روپے کوئی بہت بڑی رقم نہیں ہے۔ اگر آپ کے گھر میں رسالہ آئے گا تو آپ کے علاوہ دیگر افراد خانہ بھی پڑھیں گے۔ ممکن ہے کسی مہمان کی بھی نظر پڑ جائے۔ اس سے قرآنی فکر کے متعلق ان میں دلچسپی پیدا ہوگی۔ جس کو ایک مرتبہ یہ نشہ لگ گیا پھر تمام عمر نہیں اترے گا۔ میں ۴۵ سال سے تحریک میں ہوں۔ اس عرصہ میں ایک فرد بھی ایسا نہیں دیکھا جو اس فکر سے ایک مرتبہ متاثر ہو کر اسے چھوڑ گیا ہو۔

دوسرا قدم یہ ہے کہ آپ اپنے مطالعہ میں وسعت پیدا کریں۔ معارف القرآن کی سلسلہ کی کوئی ایک کتاب ''جوئے نور'' ہی خرید لیں۔ اس کے مطالعہ کے بعد ''برق طور'' لے لیں۔ جو کچھ آپ پڑھیں جو Points آپ کو اپیل کریں اور آپ کو زیادہ پسند آئیں ان کو ڈائری میں نوٹ کر لیں۔ یہ مطالعہ کا بہترین طریقہ ہے۔ انہی Topic کو اہل خانہ سے ڈسکس کریں۔ ان کو وضاحت سے سمجھائیں۔ یقیناً ان پر بھی اثر ہوگا۔ پھر اپنے دوستوں کو بھی بات چیت کے دوران بتائیں۔ اس طرح یہ بات آپ کو ازبر ہو جائے گی اور کسی بھی موقع پر آپ کسی بھی مجلس میں بیان کرنے کے قابل ہوں گے۔ اس میں کوئی شرم کی بات نہیں ہے۔ آپ قرآن ہی تو پیش کر رہے ہوں گے۔ اس ضمن میں ایک مثال سے بات کو واضح کرنے کی کوشش کروں گا۔ شرک یا فرقہ بندی کے موضوع پر بات ہو رہی ہے تو سورہ طٰہٰ میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وہ واقعہ بیان کریں جب وہ بنی اسرائیل کو مصر سے نکال کر لے آتے ہیں اور صحرائے سینا میں مقیم ہیں۔ وہ چند دن کے لئے باہر تشریف لے جاتے ہیں اور حضرت ہارون علیہ السلام کو قوم کا چارج دے جاتے ہیں۔ واپسی پر کیا دیکھتے ہیں کہ سامری کا جادو چل چکا ہے اور قوم گوسالہ پرستی میں مصروف ہے۔ مینڈے کی پرستش ہوتے دیکھ کر حضرت موسیٰ غصہ سے اپنے بھائی حضرت ہارون کو سر اور داڑھی کے بالوں سے پکڑ لیتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ قوم شرک میں مبتلا ہے اور تم خاموش کھڑے ہو۔ حضرت ہارون فرماتے ہیں کہ اے میری ماں جائے مجھے ان سب کے سامنے یوں ذلیل نہ کر۔ میری بات تو سن لے۔ تمہارے جانے کے بعد ان میں تفرقہ پڑ رہا تھا۔ تفرقہ سے ہی فرقہ بندی کی ابتدا ہوتی ہے۔ میں نے عارضی طور پر ان کا شرک برداشت کر لیا ہے۔ مگر قوم میں تفرقہ نہیں پڑنے دیا۔ یہ جواب سن کر حضرت موسیٰ۔ حضرت ہارون کے پکڑے ہوئے بالوں کو

چھوڑ دیتے ہیں۔ یہ ذہن میں رکھیں کہ یہ دونوں بھائی بیک وقت پیغمبر ہیں۔ ان کی ڈائیلاگ قرآن میں پڑھ لیں کیا اس وقوعہ سے ثابت نہیں ہو جاتا کہ فرقہ بندی تو شرک سے بھی بدتر ہے۔ جب اس واقعہ کو اس طرح دوستوں واحباب کے سامنے بیان کریں گے تو یہ ناممکن ہے کہ ان پر اثر نہ ہو۔ دو تین بار مختلف لوگوں کے سامنے بیان کرنے سے آپ میں بھی خود اعتمادی کا جذبہ اجاگر ہو گا۔ اسی طرح مختلف دوستوں کے سامنے مختلف واقعات بیان کرنے سے لوگوں میں قرآن فہمی کا شوق پیدا ہو گا۔ سورہ طٰہٰ ہماری مذہبی پیشوائیت نے کئی بار پڑھی ہو گی۔ مگر وہ فرقہ بندیوں کے خلاف ایک لفظ زبان سے نہیں نکالتے۔ بلکہ فرقوں کو وہ مکاتب فکر کہتے ہیں۔ تاکہ لوگوں کا خیال ہی فرقہ واریت کی طرف نہ جائے۔

بہتر ہے کہ شیروں کو سکھا دیں رم آہو
باقی نہ رہے شیر کی شیری کا فسانہ

اس قسم کے چیدہ چیدہ واقعات آپ کی ڈائری میں درج ہو جائیں گے تو کچھ عرصہ بعد ایک نگاہ سے ہی ساری بات آپ کے ذہن میں تازہ ہو جائے گی۔ ایک بار یہ سلسلہ شروع کر دیں۔ آپ بہت لطف اندوز ہوں گے۔

علامہ پرویزؒ کو اللہ تعالیٰ کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔ وہ ہمارے لئے اتنا عظیم خزانہ چھوڑ گئے ہیں کہ کئی صدیوں تک کافی ہے جو کچھ بھی مطالعہ کریں۔ اپنے تک محدود نہ رکھیں۔ اسے آگے پھیلائیں۔ ان کی ہر کتاب بڑی زبردست اہمیت کی حامل ہے۔ میں اپنی مثال پیش کروں گا۔ ۱۹۶۱ء میں میرا دفتر پولیس ٹریننگ سکول سرگودھا کے پرنسپل کے آفس کے بالکل قریب تھا۔ ایک نیا پرنسپل آیا تو وہ کرٹسی کال کے طور پر مجھے آ کر ملا۔ میں بھی ایک روز اس کے ہاں چلا گیا۔ یہ صاحب فوج میں میجر تھے۔ وہاں سے پولیس سروس میں آ گئے۔ یہ کافی عرصہ مصر میں بھی رہ چکے تھے۔ عربی بول چال میں ماہر تھے جب میں گیا تو وہاں ایک قادیانی کرنل صاحب بھی ان کے پاس بیٹھے تھے۔ باتوں باتوں میں ''لغات القرآن'' کا میں نے تعارف کرایا تو پرنسپل صاحب کہنے لگے کہ بابو پرویز کا عربی زبان سے کیا تعلق' میں نے کہا قریشی صاحب اس کتاب کی چار جلدیں ہیں۔ میں پہلی جلد آپ کو دوں گا۔ اسکا صرف دیباچہ آپ پڑھ لیں تو پھر مجھ سے بات کریں۔ میں نے انہیں کتاب بھیج دی اور خود ایک ہفتے کے دورے پر چلا گیا۔ واپسی پر میرے دفتر والوں نے بتایا کہ قریشی صاحب نے تین چار بار فون کیا ہے کہ لون صاحب جب بھی آئیں پہلی فرصت میں مجھے ملیں۔ لہٰذا میں ان کو ملنے چلا گیا۔ انہوں نے بڑی آؤ بھگت کی اور کہا کہ یہ کتاب میں آپ کو اس وقت واپس کروں گا جب اس کا پورا سیٹ مجھے لا کر دیں گے۔ میں نے کہا کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔ آپ یہ بھی رکھیں باقی تین جلدیں بھی پہنچ جائیں گی۔ اس نے مجھے بتایا کہ وہ

تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ اتنی مفید اور ضخیم کتاب یہاں پاکستان میں لکھی جا سکتی ہے۔ اس کے خیال میں اس کتاب کی قیمت ایک لاکھ روپے سے کم نہیں ہے۔ اس نے وضاحت کی کہ عربی کی دیگر لغات مثلاً لسان العرب۔ محیط۔ راغب۔ ابوالفضل کئی کئی جلدوں پر مشتمل ہیں۔ قرآن کے کسی لفظ کے معنی دیکھنے کے لئے کہ اس کے متعلق مختلف لغت کی کتابوں میں کیا لکھا ہے مجھے سب کی سب جلدیں خریدنی پڑتیں۔ جس کے لئے کثیر سرمایہ کے علاوہ کئی الماریاں درکار تھیں۔ علامہ پرویز صاحب نے یہ مسئلہ حل کر دیا ہے۔ انہوں نے معانی لکھتے وقت دیگر کتابوں کے حوالے دے دیئے ہیں اور یکجا دے دیئے ہیں۔ ورق گردانی کی زحمت سے بھی انسان بچ جاتا ہے۔ آپ کسی بھی علمی شخصیت کو ''لغات القرآن'' کا دیباچہ پڑھنے کے لئے دیں وہ ایک بار تو وجد میں آ جائے گا۔ مجھ ناچیز کو یقین ہے کہ علامہ صاحب کی اس کتاب کی لائف کم از کم ایک ہزار سال ہو گی۔ عراق سے ایک مرتبہ ایک وفد آیا تا کہ وہاں جو قرآن کی لغت لکھنے کے لئے کام ہو رہا ہے۔ اسکے لئے دیگر ممالک میں بھی اس کی بارے میں سٹڈی کی جائے۔ وہ سرکاری وفد ہمارے محکمہء انفارمیشن کے ایک افسر کی معیت میں ۲۵ بی' گلبرگ میں بھی آیا۔ ان کے لیڈر نے سوال کیا کہ حکومت پاکستان نے کتنا بجٹ اور کتنا عملہ اس کام کے لئے دیا تھا۔ علامہ پرویزؒ نے جواب دیا کہ نہ تو حکومت نے کوئی بجٹ دیا اور نہ اس سلسلہ میں کوئی عملہ دیا۔ وہ یہ کہہ کر باتھ روم میں گئے تو واپسی پر وفد جا چکا تھا۔ کچھ دنوں بعد انفارمیشن ڈیپارٹمنٹ کے افسر نے پرویز صاحب کو بتایا کہ ان لوگوں کو یقین نہیں آتا تھا کہ ایک شخص تن تنہا اتنا بڑا معرکہ سرانجام دے سکتا ہے۔ لہٰذا وہ چلے گئے۔ بابا جیؒ نے بتایا کہ شکر ہے کہ میں نے انہیں یہ نہیں بتا دیا تھا کہ اس کتاب کے علاوہ بھی میں نے درجنوں ضخیم کتابیں لکھی ہیں اور اس کام کے ساتھ ساتھ ماہانہ طلوع اسلام رسالہ بھی جاری رکھا ہے اور ہفتہ وار درس قرآن کا سلسلہ بھی چلتا رہا ہے۔

سرگودھا کا ایک واقعہ گوش گذار کرتا ہوں۔ پولیس لائن کی بہت بڑی جامع مسجد میں ضلع کچہری کے علاوہ اردگرد کے دوسرے علاقوں کے لوگ بھی آ جاتے تھے۔ اس زمانہ میں پی۔ اے۔ ایف سٹیشن کے تمام چھوٹے بڑے افسران بھی خصوصاً نماز جمعہ کے لئے یہاں ہی آتے تھے۔ امام مسجد بریلوی خیالات کے ضعیف سے مولوی تھے۔ میں پرویز صاحب کی کتابوں سے مختلف موضوعات پر ان سے گفتگو کیا کرتا تھا۔ وہ عمر کے لحاظ سے مجھ سے ۲۵/۳۰ سال بڑے تھے۔ ان کا مبلغ علم تعلیم یافتہ لوگوں کی تسلی نہیں کر سکتا تھا اور وہ خود بھی اس کو محسوس کرتے تھے۔ ہفتہ میں دو تین بار میری ان سے نشست ہو جایا کرتی تھی اور وہ میری باتوں کو بڑی دلچسپی اور توجہ سے سنتے تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے بڑی رازداری سے مسکراتے ہوئے کہا کہ آپ مجھے جمعہ کے

لئے خطبہ تیار کر کے دیا کریں۔ میں ''سلیم کے نام خطوط'' میں سے کوئی ایک خط اپنے الفاظ میں لکھ کر دے دیا کرتا تھا۔ جو مولوی صاحب کی شہرت کا سبب بنا۔ ایئر فورس کے افسران باہمی چندہ کر کے ان کے لئے نت نئے تحائف لانے لگے۔ یہ سلسلہ قریباً دو سال تک جاری رہا۔ پی۔اے۔ایف سٹاف کے چند افراد میرے ذاتی دوست بھی تھے اور بزم سرگودھا کے رکن بھی تھے۔ میں نے یہ راز ان کو بھی نہ بتایا۔ وہ بڑے حیران ہوتے تھے کہ مولوی صاحب اپنے خطبات کے لئے یہ مواد کہاں سے لاتے ہیں۔ بتدریج ان کی بریلویت نے دم توڑ دیا اور میں نے اپنی تمام کتابیں شاہ صاحب کی نظر کر دیں۔ جب میں وہاں سے ٹرانسفر ہوا تو شاہ صاحب نے موصول شدہ تحائف میں سے ایک چغہ مجھے دینا چاہا۔ مگر میں نے شکریہ کے ساتھ لینے سے انکار کر دیا۔

میرے اس خطاب میں بار بار ''میں'' آ رہی ہے۔ جس کے لئے معذرت خواہ ہوں۔ اس زمانہ میں سرگودھا ڈویژن نئی نئی بنی تھی۔ تمام ڈویژنل دفاتر پولیس ٹریننگ سکول کی عمارتوں میں ترمیم کر کے بنا دیئے گئے تھے۔ انڈسٹریز ڈیپارٹمنٹ کے ایک دوست بہاولپور کے رہنے والے اکثر میرے پاس آتے تھے۔ کٹر بریلوی خیالات کے حامل تھے۔ مگر خاصے ذہین اور اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے۔ طویل بحثیں کرتے۔ میں مختصر سا جواب دے کر کوئی نہ کوئی کتاب ان کو مطالعہ کے لئے دے دیتا۔ وہ مدلل باتیں سننے کے باوجود تسلیم کرنے سے انکار کر دیتے۔ ۶۶۔۱۹۶۵ء میں ٹرانسفر ہو کر لائل پور آ گیا۔ پھر میانوالی وغیرہ میں قیام پذیر رہا۔ مجھے سال تو اچھی طرح یاد نہیں ہے۔ میں کنونشن میں شرکت کے لئے لاہور پہنچا تو ۲۵ بی' گلبرگ میں میرے وہ دوست بہاولپور بزم کے نمائندہ کی حیثیت سے یہاں موجود تھے۔ میں نے اس انقلاب کی وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا کہ جو کتابیں آپ نے مجھے مطالعہ کے لئے دی تھیں وہ کبھی میرے ذہن سے نہیں نکل سکیں اور سچائی نکل بھی کیسے سکتی ہے۔

یہ مثالیں میں نے اس واسطے دی ہیں کہ آپ کو یقین کامل ہو جائے کہ اس قرآنی فکر میں اتنی قوت ہے کہ یہ سوچ سمجھ والے لوگوں کو بڑی جلدی متاثر کر سکتا ہے۔ اگر چند ایک ایسے کیس بھی آ جائیں جن کے دلوں پر مہریں لگی ہوں تو پریشانی کی ضرورت نہیں ہے معاشرہ میں جہلا بھی تو ہیں۔ میری اپنی بہن نے لائبریری دیکھ کر کہا کہ یہ کتابیں تو سب اچھی ہیں مگر کوئی مرشد بھی تو پکڑ لیں تاکہ قیامت کے روز اس کے جھنڈے تلے پناہ مل سکے میں نے اسے بتایا کہ قرآن مجید کی آیت ۱۷/ ۷۱ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ یوم حساب میں ہم ان لوگوں کو ان کے اماموں کے حوالے سے بلائیں گے۔ تو پھر جن کا امام قرآن ہوگا تو ان کو قرآن کے حوالے سے پکارا جائے گا اور جن کے امام امام اعظم ابو

حنیفہ یا امام شافعی یا مسند امام احمد بن حنبل ہوں گے یا جس کا امام موطا امام مالک ہوگی یا جن کا امام فقہ جعفریہ کے صحاح اربعہ ہوں گی۔ یعنی سب کو ان کی کتابوں اور امامی مسلکوں کے حوالے سے پکارا جائے گا۔ بلایا جائے گا۔

میری بہن کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی تو میں نے اس کو تسلی دی کہ گھبراؤ مت۔ تمہارے بھائی کا بھی وہاں ایک جھنڈا ہوگا جو قرآن کا ہوگا۔ تم اس کے نیچے آ کر پناہ لے لینا۔

یہ کتاب عظیم تو ہمیں جا بجا بتاتی ہے کہ ہم حکومت قائم کرنے کے بعد غیر اقوام سے کس قسم کا برتاؤ کریں۔ لیکن یہ کہیں نہیں سمجھایا گیا کہ محکومی کی حالت میں ہمارا طرز عمل کیا ہو۔ دراصل اسلامی تعلیم پر عمل کرنے کا لازمی نتیجہ سلطنت اور حکومت ہے۔ اس لئے قرآن کسی ایسے مسلمان کا وجود ہی تسلیم نہیں کرتا جو محکوم بھی ہو اور اسلام کا دعویٰ بھی کرے۔ اگر آزادی اسلام پر عمل کرنے کا نتیجہ ہے تو محکومی اسے ترک کرنے کی بنا پر ہوگی جو مسلمان محکوم ہونے کے باوجود مدعی اسلام ہے یا تو اسے اپنے دماغ کا علاج کروانا چاہئے یا وہ کوئی ایسا قرآن ڈھونڈ لے جو غلامی پر راضی ہونے کو اسلام قرار دیتا ہو۔ قرآن کا طاقتور۔ زندہ اور بے عیب اسلام ہمیں امت وسطیٰ قرار دیتا ہے نہ کہ روایات رسومات اور بدعات میں لتھڑا ہوا اسلام۔

آپ کی اکتاہٹ کا احساس کرتے ہوئے میں اختتامیہ کی طرف آتا ہوں یقین کیجئے ملا کا اسلام اب زیادہ دیر تک نہیں چل سکے گا۔ ملک کے طول و عرض میں دیگر جامعات کے علاوہ چھ انجینئرنگ یونیورسٹیاں قائم کی جا رہی ہیں جہاں سے ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں نوجوان سائنسدان اور انجینئرز بن کر نکلیں گے یہی دراصل' قرآن کی رو سے' علماء کہلانے کے حقدار ہوں گے۔ ان کی موجودگی میں جاہلیت دم توڑ دے گی۔ مگر ہمیں اسی انتظار میں نہیں بیٹھے رہنا چاہئے۔ ان آنے والے علماء کے لئے ہمیں Spade Work میں مصروف رہنا چاہئے۔ جہاں بھی ملا کا لفظ استعمال کیا ہے میری اس سے مراد کوئی فرد نہیں ملا ذہنیت ہے۔ وہ کیا ہوتی ہے

آئینِ نو سے ڈرنا طرزِ کہن پہ اڑنا
منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں

یہ ہے ملا ذہنیت کی دو حرفی تعریف!
کشادہ ذہن اور نئی سوچیں رکھنے والے لوگ تو آپ کی راہ دیکھ رہے ہیں

ہمہ آہوانِ صحرا سرِ خود نہادہ برکف
بامید ایں کہ روزے بشکار خواہی آمد

یاد رکھئے کہ آپ قرآن کے پیامبر ہیں۔ آپ کی مختصر سی جمعیت اس شمع کو ہاتھوں میں لے کر اٹھی ہے۔ اس لئے اپنی ذمہ داریوں کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھئے۔ زمانہ مایوسی کی تاریکیوں میں کھڑا ہے اور اس روشنی کو قبول کرنے کے لئے

بے قرار ہے۔ اس لئے عزم و ہمت سے شمع قرآنی کو لے کر آگے بڑھئے اور اس کی روشنی کو تاریک فضاؤں میں پھیلا دیجئے۔

ہم قرآن کی بات کرتے تھے۔ کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ No Compromise!۔

جس بات کو دل میں بھی نہیں لاتا زمانہ
اس بات کو ہم لوگ سرِ دار کہیں گے

۲۵ بی گلبرگ کی ایک کنونشن کا ذکر ہے جب رات کو سونے کے لئے چارپائیوں کا اہتمام ہوتا تھا۔ دو بزرگ کافی عمر کے ہاتھ میں ہرکین لیمپ لے کر ہر چارپائی کا جائزہ لیتے تھے کہ کنونشن میں شرکت کرنے والا بوڑھا ہے یا نوجوان یا درمیانی عمر کا۔ اگر کوئی نوجوان چہرہ نظر آتا تو ان بزرگوں کی خوشی کا عالم دیکھنے والا ہوتا کہ نوجوان ادھر آرہے ہیں جو کچھ عرصہ اس گاڑی کو چلائیں گے۔

میانوالی کے ڈاکٹر محمد خاں بہت ہی ضعیف العمر تھے۔ انہوں نے مجھے کہہ رکھا تھا کہ تم ہر علاقے کا دورہ کرتے ہو جہاں کوئی سوچ بچار کرنے والا شخص دیکھو اس کو جوئے نور۔ برق طور۔ میں سے کوئی ایک کتاب دے دو اور مجھ سے آکر نئی لے لو۔

فیصل آباد قرآن کنونشن ایک روزہ تھی تقریباً آٹھ ہزار کی کتابیں فروخت ہوئی اور سینکڑوں پمفلٹس لوگوں نے خریدے۔

چار سال قبل فیصل آباد کتاب میلہ میں لاکھوں کتابیں تھیں ہم نے بھی طلوع اسلام کی کتابیں رکھ دیں ایک دو دن میں دس ہزار کی کتابیں فروخت ہوگئیں۔ مولوی صاحبان نے کتاب میلہ کے منیجر کو الٹی میٹم دے دیا کہ یہ کتابیں یہاں سے ہٹا دو۔ ورنہ سارے سٹالوں کو آگ لگا دیں گے۔ کتابیں اٹھالی گئیں۔

فورٹریس سٹیڈیم لاہور میں مارچ ۲۰۰۶ء میں تین دن میں ۳۵ ہزار کی کتب فروخت ہوئیں۔ ہزاروں پمفلٹس لوگوں نے خریدے۔ سب سے زیادہ رش ہمارے سٹال پر تھا۔

جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ علامہ پرویزؒ کی وفات سے تحریک ختم ہوگئی ہے۔ وہ غلط سمجھتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کی وفات سے قرآنی فکر کو نقصان پہنچا ہے کیونکہ ان کی ٹکر کی شخصیت تو صدیوں بعد پیدا ہوتی ہے۔ مگر ان کے بعد ان کی کتابوں کی اشاعت میں کئی گنا اضافہ ہوا ہے۔ رسالہ طلوع اسلام واحد دینی پرچہ ہے جو اپنے قدموں پر کھڑا ہے۔ میں فیصل آباد کی مثال دیتا ہوں۔ یہاں پہلے بھی ۴۰ پرچے آتے تھے مگر نصف سے بھی کم فروخت ہوتے تھے۔ اب تقریباً سب کے سب گھنٹہ گھر اور ریلوے ہسپتال پر سب کے سب فروخت ہوجاتے ہیں۔

یہ سب باتیں ثابت کرتی ہیں کہ طلوع اسلام کا فکر عام ہو رہا ہے اور بقول شاعر:

؎ آثار بتاتے ہیں سحر ہو کے رہے گی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیہات کی بات

باغبان ایسوسی ایشن

(حال اور مستقبل کے مجوزہ ادارے)

اگر آپ نے چھوٹا سا باغ لگا رکھا ہے اور باغبانی سے عملی دلچسپی ہے تو نہ صرف آپ ملک وقوم کے محسن ہیں بلکہ ماحولیات کے دوست بھی ہیں۔

آپ ہماری باغبان ایسوسی ایشن کے ممبر ہیں یا نہیں یا آج تک آپ کو اس باغبان تحریک کا علم تک نہیں۔ تو کوئی بات نہیں۔ آیئے باغبان ایسوسی ایشنب کو اکیسویں صدی میں دیہات کی سب سے بڑی قوت بنانے میں اپنا عملی کردار ادا کریں۔ آپ ممبر/عہدیدار ہوں یا نہ ہوں اس کا حصول عملی تعاون کے اندر خود بخود موجود ہوتا ہے۔ کیونکہ اعمال' الفاظ سے زیادہ اونچی آواز میں بولتے ہیں۔

بسم اللہ! خوش آمدید

ذیلی ادارے۔ بزم باغبان۔ باغبان کونسل۔ یوتھ باغبان۔ باغبان سٹوڈنٹس۔

بڑے ادارے۔ باغبان فاؤنڈیشن۔ باغبان کمپلیکس۔ باغبان ٹرسٹ۔

عملی ادارے۔ باغبان نرسری۔ باغبان لائبریری۔ باغبان پبلشرز۔

معاشی ادارے۔ باغبان کلینک۔ باغبان ہوٹل۔ باغبان پلازہ۔ باغبان ایمبولینس۔

قومی ادارے۔ ایوانِ باغبان۔ دانشورانِ باغبان۔ باغبان یونیورسٹی۔

باغبان ایسوسی ایشن کے ممبران ہمہ وقتی جذبہِ تحریک' تعاون اور مشاورت کے پابند ہوں گے کیونکہ انہی کی محنت اور محبت واخوت کامیابی کی ضامن ہوگی۔ انشاءاللہ۔

پتہ رابطہ:

(۱) ملک حنیف وجدانی' صدر باغبان ایسوسی ایشن' سنبل سیداں' نیومری۔

(۲) صبینہ یاسمین' سینئر نائب صدر' باغبان ایسوسی ایشن' ٹبی سیداں' سوہاوہ' جہلم۔

(۳) ڈاکٹر صلاح الدین اکبر (تاحیات ممبر) باغبان ایسوسی ایشن' 33/C-2' گلبرگ 3' لاہور۔

What happened to Islam after Umar رضی اللہ عنہ?

(II)

Family ties

Morevoer, they had family ties. For example, Iman Hussain's niece Sayyeda Umme Mohammad – the daughter of his half brother Abdullah Ben Jafar Tayyar – was married to Yazid while the wife of Imam Hussein (mother of Hazrat Ali Akbar) was the sister's daughter of Amir Moawiya.

Enimity between Bani Umayya and Bani Abbas

The Iranian conspiracies were concentrated on Bani Umayya when the empire was transferred to them. For this purpose they found a strong pawn in the form of Bani Abbas. Bani Omayya and Bani Abbas are the two branches of the same tree as this family tree shows:

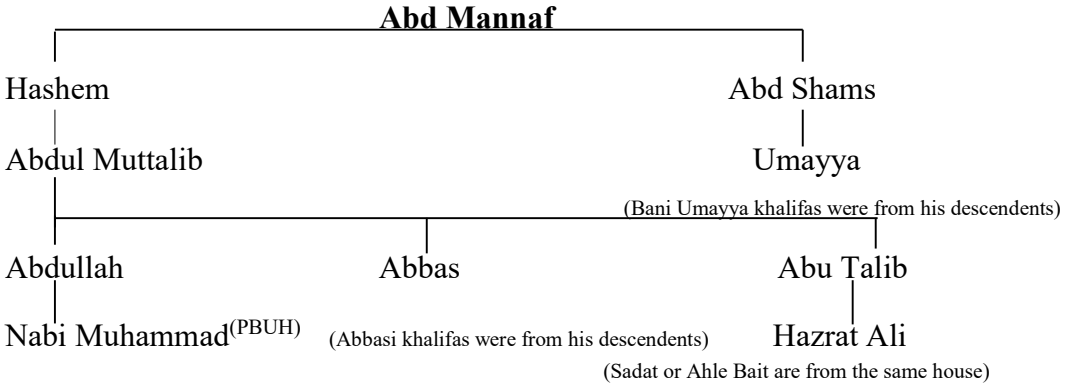

When Bani Umayya came into power it sparked a fire of jealousy in Bani Abbas. Iranians, who were looking for such an opportunity, exploited this development. At this point another personality comes into picture, that is known as Abu Muslim Khorasani. He was the biggest propagandist of the Abbasi claim to khilafat. Bani Abbas had no peculiar qualities that could gather people around them. To fill this shortcoming Abu Muslim used the same old formula but the target was different this time. He propagated the idea that khilafat is the right of Ahle Beit and they should get it.

Look at the family tree of Hazrat Ali to understand the term of Ahle Beit:

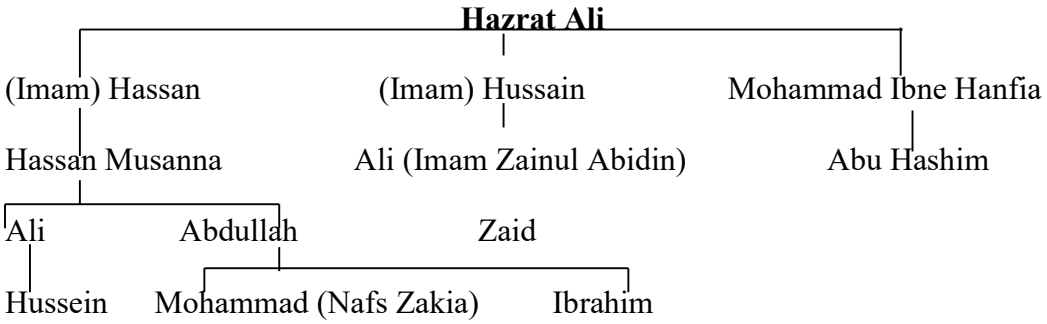

Sadat and Alawis

Imam Hassan and Hussein were born to Hazrat Fatima, whose descendents are generally called Sadat. Hazrat Ali married several times after the passing away of Hazrat Faima. According to traditions, he had 18 sons and 18 daughters. All his sons who were not born to Hazrat Fatima were called Alawis.

In the above family tree we have mentioned only one son from Ali's other wives – Mohammad Ibne Hanifa – because this discussion is related to him. We will later talk about the two prominent Shia sects – Asna Ashi and Ismaeli.

Imamat is considered inherently confined to the son of Imam Zainul Abedeen, Imam Baqer and his descendents. However, another sect Zaidia, believes that this was transferred to his other son, Zaid. Another Shia sect believes that after Hazrat Ali, Imamat was transferred to Mohammad Ibne Hanifa. This sect is called Kisania.

We introduced these personalities and sects briefly at this point because although Bani Abbas were obviously seen in the anti-Bani Umayya campaigns but at many places Fatimides and Alawis also played an important role.

Bani Umayya khalifas had given a village in Hamima (that was in the path from Madia to Damascus) as an estate to Ali, the son of Abdullah Ben Abbas. He used to live in that village. The Imam of Kisania sect, Imam Abu Hashim, who was once passing through that village, expired there. Since he had no son, therefore Bani Abbas claimed that he had willed in favor of Ali. In this way Bani Abbas became interested in Imamat and supporter of Kisania.

After the death of Ali, his son, Mohammad became Imam. He realized that there is no attraction in the name of Bani Abbas to rally people around him. Therefore he told his propagandists that they should not name anybody in their propaganda but say that the right of Imamat belongs to Ahle Beit. For this purpose he established his headquarters in Khorasan where it was easy for him to find support of Iranians.

Abu Muslim Khorasani

At this point Abu Muslim Khorasani emerges on the scene. His name was Ben Usman Ben Bashari. He was a very intelligent person and master in administrative skills. He was of Iranian origin and a descendents of Buzjamher. He was born in Isfahan and raised in Kufa. He had no rival in the art of propaganda. The son of Mohammad (Abbasi), Ibrahim, was impressed with his qualities and entrusted him the department of propaganda. In the name of Ahle Beit, he propagated so intensely that the foundations of Bani Umayya empire were shaken. At the same time, the Fatmides were also busy in conspiracies against Bani Umayya. For example: In 61 AH, the tragedy of Karbala happened. In 122 AH, Zaid, the son of Imam Zainul Abedeen, revolted in Kufa and Zaid's

son Yahya revolved in Khorasan. In 127 AH, Abdullah Ibne Muawiyya (from the family of Hazrat Jaffar Tayyar) revolted in Kufa but was not successful.

Coming of Mehdi

However, Abu Muslim's propaganda was successful. At the same time a belief in the coming of Mehdi also became popular. It was also said that he will come from Khorasan. The color of his army's clothes and standard will be black. Abu Muslim propagated the idea of appearance of Imam very intensely and when found that the situation is ripe, he came out with a big army in black uniform carrying black standards. He conquered Khorasan in 128 AH and after a decisive battle in 132 AH he ended the Bani Umayya empire that was transferred to Bani Abbas. Their first khalifa was Abdullah who became famous as Saffah. Although Bani Abbas took revenge from Bani Umayya but they were fearing that Abu Muslim's power may become a threat, therefore they executed him in 137 AH.

xxxxxxxxxxxxx

We have seen that Abbasis got the empire through the love of Ahle Beit. Naturally, Ahe Beit did not like that their name was being exploited everywhere to secure the empire and when it was captured, Bani Abbas became its ruler. Therefore, Mohammad Ben Nafs Zakiyya revolted against them but was unsuccessful. His claim was that the inheritance of Imamat goes to the off springs of Hazrat Ali and not of Hazrat Abbas. Abbasi Khalifa, Mansoor rejected this claim and retorted that according to the law of inheritance, khilafat goes to the offspring of Abbas. They both exchanged very interesting letters which are mournful and exemplary. We reproduce it in full in order to show that how khilafat – which according to the Quranic instruction should have been given assigned with the consultation of Umma on the basis of personal qualities without consideration of ancestry or family – changed into inheritance.

The first letter is from Khalifa Abu Jafar Abdullah ben Mohammad (Mansur - Abbasi Khalifa) to Mohammad Ben Abdullah (Nafs Tazkiyya). He writes:

"In the Quran, Allah says that those people who fight with Allah and his prophet and create mischief in the world, they should be killed, or hanged, or their hand and feet of opposite side should be cut off or they should be exiled. Therefore, in the name of the Prophet, I urge you that before I capture you, you should repent. I pledge to pardon all your brothers, followers and companions who participated in this rebellion. Moreover, I will give you 100,000 dirhams so that you can live wherever you chose to live and I will meet all your future needs. I will release all Ahle Beit and Shias who are in my prison without giving them any punishment. If you agree with this proposal then send your representative to get a written pledge from me."

Nafs Tazkiyya's response was:

"From Amirul Momenin Mohammad Ben Abdullah Mehdi to Abdullah Ben Mohammad. I also offer you the same pardon that you have offered me. You know that khilafat is our right and you got it because our Shias. Our father, Hazrat Ali was the heir and Imam. I, his son am alive, then in my presence how you can become heir. You know very well that during the periods of *jahiliat* (pre-Islamic age of ignorance) and Islam both, what honors and ranks we had no body had. During the period of *jahiliat*, we were born from the womb of Prophet's grand mother, Fatima Bent Umro and not you. In the family of Hashim I am the best and belong to honorable mother and father. I do not have non-Arab blood in my veins. Allah always distinguished my ancestors. Mohammad (PBUH) is the most distinguished in the world. I am his son. My father Ali was distinguished in the companions (of the prophet), unparallel in knowledge and brave in Jihad. My mother is Khadija, who was among the first in the Umma who offered prayers for the first time. Hazrat Fatima was the best from her daughters. She is the leader of the women of paradise. In the Islamic period, Hazrat Hassan and Hussain are the best sons of Hashim (who are the leaders of paradise youth). I am the son of elder one. Now see Hazrat Ali was the son of Hashim from the side of parents. Imam Hassan is the son of Abdul Muttalib from the side of parents and I am the son of the prophet from the side of parents. Allah has always preserved distinction and even this distinction is maintained in the hell. It means that I am the son of that person who has higher rank in the paradise and the son of that person who will be given minimum punishment in the hell. In this way I am the son of those people who are best among the good people and also those who have very low rank in the errant people (*of jahiliat*).

"In witness of Allah, I pardon you for anything except any violation of Shariat or any agreement for which you are responsible. I will be more committed to my pledge than you. What kind of pardon you are offering me? Is it that of Ibne Hira or that you had given to your uncle Abdullah or Abu Muslim?"

When Mansoor received this letter, his correspondent (writer) asked permission to write the reply. Mansoor said this is not your job because when the issue is of lineage and family feuds then I have to write myself. He wrote:

"From Amirul Momenin Abu Jafar Abdullah ben Mohammad to Mohammad Ben Abdullah.

"Received your letter. In order to incite people and gain popularity among the illiterates, you have woven a net of ancestorial honors which is based on females while women do not enjoy the same rank as the uncles have. You know, Prophet's four uncles (Hamza, Abbas, Abu Talib and Abu Lahab) were alive at the time of his prophet hood. Two of them embraced Islam. One of them was my father. Two of them remained *kafir* (infidel) and one of them was your father.

"You express pride in the ancestry from the side of women, which is foolishness. If there was any share in the ranks from women's ancestry then all ranks would have gone to the mother of the Prophet (PBUH). But Allah gives honor in Deen to whom he wants.

"It is strange that you are proud of the mother of Abu Talib, Fatima Binte Umro. Mind it that Allah did not give an opportunity to any of her sons to become Muslim. Prophet's father would have been the first one, if Allah had chosen to provide this opportunity. However, Allah enlightens with Islam to whom He wishes.

"You express pride that Hazrat Ali is Hashmi from the side of parents. Hassan is son of Abdul Muttalib from the side of parents and your ancestry reaches to the Prophet from the side of parents. If this was a matter of pride, then the Prophet should haven more eligible for that but he was Hashmi only from one side.

"You also call yourself a son of the Prophet although the Quran has clearly denied that:

> *Muhammad is not the father of any of your men, but (he is) the Messenger of Allah, and the Seal of the Prophets….(33/40)*

"You are right when you say that you are a son of his daughter. No doubt this is a very close relationship but you neither cannot claim inheritance through this relation nor Imamat. Your father, Hazrat Ali tried to get khilafat on the basis of this close relationship. He caused grief to Fatima by clashing her with Abu Bakr. In this anger he did not inform anybody about her illness and she was hastily buried at night when she died. However, no one agreed to abandon Abu Bakr and support his khilafat.

"Even, during the illness of the Prophet, he was present but the prophet asked Abu Bar to lead the prayers (in his place). After that Umar became Khalifa. Then the khilafat was left to the decision of shura (consultancy council). In this too he was not selected and Usman became Khalifa. Now he put pressure on Talha and Zubair and tried to take oath of allegiance from Saad Ben Abi Wiqas who shut down his door on him. When Ali passed away, Imam Hassan replaced him. Moawiyya sent an army from Damascus. He took some money and abandoned his Shias and khilafat both in favor of Moawiyya and left for Madina.

"Therefore, even if you had any claim you have already sold. You said that in hell, Allah took care of your rank and your father Abu Talib will get the minimum punishment. This is very unfortunate. For a Muslim Allah's punishment whether it is big or small is not a matter of pride.

"You write that you do not have any non Arab blood in your veins, from this claim it looks that you consider yourself more honorable than Ibrahim, the son of the prophet, who was more honorable than you in all respects. In your family there was Zainul Abidin who was better than your grandfather, Hassan Ben

Hassan. Then his son Mohammad Baqer was better than your father and his son Jafar Sadiq is better than you, although all of them had Ajami blood.

"You also claim that you are better than all Bani Hashim because of your lineage and parents. The prophet is from Bani Hashim. You keep in mind that on the day of judgment you have to face Allah.

"In Saffain, your father Hazrat Ali had pledged to accept the decision of the mediators. You may have heard that the mediators had removed him from khilafat. During the period of Yazeed, your cousin Hussain ben Ali came to Kufa to confront Ibne Ziyad. He was murdered by the same people who were his supporters. Subsequently many people rose to take khilafat. All were assassinated or hanged by Bani Umayya.

"Eventually, we became powerful and we took our revenge and also your revenge from them. They used to curse you after prayers, we stopped that. You were given high ranks. Now you present all this to us as a proof (to your claim). Do you think that if we had shown reverence for Hazrat Ali, we consider him greater than Abbas and Hamza who passed away with dignity while Hazrat Ali was involved in wars where Muslim blood was shed.

"You may know that during the period of jahiliat, Hazrat Abbas was caretaker of Saqqia Haj and Zamzam, not Abu Talib. In the court of Hazrat Umar your father raised this claim but decision was given in our favor.

"At the time of the demise of the prophet only Hazrat Abbas was alive from his uncles. Therefore, from the decendents of Abdul Muttalib, he was the only heir to take khilafat but Bani Abbas got it. Hence the ancient honors and current successes came in the share of Hazrat Abbas and his decendents.

"Hazrat Abbas forced into the battle of Badr because your uncles Talib and Aqeel. Otherwise both would have died because of hunger. … They escaped poverty because of our father. Moreover, in the beginning of Islam when there was famine, Hazrat Abbas helped Abu Talib. He also paid money to secure release of your uncle Aqeel.

"In short, in the period of jahiliat and Islam both we have favors on you. Our father favored your father and we are kind to you and gave you those ranks on which it was not possible for you to reach. And we took that revenge on your behalf that you were unable to take." With Peace (Wassalam).

One learns from these letters that the concept of a divine government had vanished and a great Khalifa of Sunnis, like Abu Jafar Mansur and a recognized Mehdi Imam of Ahle Beit, like Nafs Zakiya, were claiming khilafat on the basis of inheritance. The only dispute was whether this inheritance goes to the decendents of daughter or uncle. *(Tareekh Al Ummat Vol. 8, Allama Aslam Jeerajpuri)*

You can see that in this correspondence there is nothing but family pride and taunt. After that Mansur sent an army against Imam Nafszakia who was defeated and executed in 145 AH.

Uyunul Akhbar records similar arguments between Khalifa Mamoon Al Rasheed and Imam Raza. Mamoon asked the Imam, on what ground he claims khilafat? He replied that on the basis of relationship with the Prophet, Hazrat Ali and Hazrat Fatima. Mamoon said if your claim is on the basis of relationship with Hazrat Ali, then the prophet had many such heirs who had more close relationship and some had the same rank. If it is based on the relations with Fatima, then Hassan and Hussain deserved after her. In their presence, why Hazrat Ali usurped their right by occupying the khilafat. Imam Raza was unable to answer this question.

Bramka

Abu Muslim has come with the mission to revive the Iranian empire. He was not successful in that but later, not a single person but a whole family came to the Abbasis with the similar objective. This family was not able to revive the Iranian empire, however, it emptied the great Abbasi empire from Islam and the Arab imprint on Islam. Both were replaced by Ajamiat or non-Arab imprint. This was the biggest success of the Iranian conspiracy.

In history this family is known as Bramka. There is a controversy on the reasons regarding the adoption of their name. However, mostly it is believed that the root of this word is “Bir Magah” which means the grand worshipper in charge of the biggest Fire Temple of Iran. A statue of the moon god was placed in this temple, known as No Bahar. Jamasp ben Yeshtrasep was the ancestor of the Bramka, who was appointed the first worshipper in charge of No Bahar. To honor his service, he was later appointed the Chief Worshipper (Chief Justice) of the whole empire. This was the highest office in front of which even emperors bowed his head. He was then appointed the Prime Minister.

This family enjoyed such a great influence that Iranian prophet Janab Zartusht (Zoroaster) married her daughter to Jamasp, while Jamasp’s one cousin was married to Janab Zartusht.

We see Khalid Barmaki in a very high position in the court of the first Abbasi Khalifa Abullah Ben Mohammad Ben Ali, alias Saffah). Since we are not writing the history of Bramka, hence we will not go into details as to how he acquired this position. At this point it will suffice to know that this family had acquired great influence even during the reign of the first Abbasi Khalifa.

You can imagine the extent of close relations between Khalifa and Khalid from the fact that the wife of Khalifa breast fed the daughter of Khalid while the wife of Khalid breast fed the daughter of Khalifa. Khalid was appointed the ruler of Faris province during the reign of Khalifa Al Mehdi. Khalid’s son Yahyah was also very able and shrewed person. Khalifa Mansoor appointed him Governor of

Azerbaijan. But Khalid found another important assignment for him. He was appointed a teacher of the Crown Prince, Haroon Al Rasheed. This brought great influence and honor for the Bramkka family and (tutorship) became hereditary. Two sons of Yahya – Fazal and Jaafar – were more able than their father and grandfather. During the reign of Khalifa Haroon Al Rasheed all affairs of the empire were in the hands of Yahya who used to run them with the advice of his sons. The result was that the Khilafat was nominally in the hands of Abbasis but it was run by the Bramkas.

The whole society was colored with non-Arab ideas

The family not only acquired political influence but all corners of the empire were colored with the Iranian culture. Yahya established a "wisdom house" in Baghdad where a large number of non-Arab history and literature was translated into Arabic. At the same time he arranged high level religious debates *(munazras)*. In these debates, Iranians, Jewish and Christian religious leaders and philosophers were used to be on the one side and the Muslim scholars were on the other side. The topics of discussions were "Islamic beliefs and ideas." The result of these discussions was very obvious. First of all the simple Arab nation did not want to get involved in the philosophical intricacies. Their freedom of thought had already been suppressed because of political expediencies of the empire. On the other hand their opponents in these debates were intellectuals and learned persons of the Iranian nation that had pondered for centuries on the issues of philosophy, logic and religion. They were accompanied by Jewish and Christian scholars who were well versed in the Greek philosophy. Consequently, after every debate a storm of doubts erupted about the Islamic beliefs and ideas while the Ajami beliefs and ideas looked reasonable. Moreover, all treasuries were in the custody of Bramka who gave huge honorariums to the Majian, Jewish and Christian debaters that attracted the leaders of other religions from distant places.

We will later show how through this conspiracy the Quranic Islam turned into Ajami Islam. At this moment we want to confine our discussion to the political influence of Iranians.

Yahyah Barmaki has several sons but only Fazal and Jafar were very prominent. The rank of Bramka in the Abbasi family can be judged from the fact that Fazal and Haroon Rasheed were brothers-in-milk (*Sheer Khawar*). Haroon's mother Khaizran (who enjoyed a high status in history) brestfed his son Haroon and Fazal at the same time. In her one lap used to be Haroon and in the other one Fazal.

When Haroon Al Rasheed came to power he wanted to appoint Fazal in a high ranking position but Yahya kept Fazal inside the palace and handed over empire's affairs to Jafar. Thus both the internal and external fronts of the empire came under the grip of the two brothers. The experience of their aging father was used

to maintain the grip on power. The empire was actually in the hands of these three persons.

However as happens generally, the intoxication of power, wealth and government makes people careless. As they became careless in hiding heir conspiracies, Haroon Al Rasheed came to know their real face and their downfall began. Whenever Haroon Rasheed used to visit his empire he realized that everywhere there was the government of Bramka and not his writ. This created doubts in his mind which resulted in the downfall of Bramka.

End of Bramka

He executed Jafar and imprisoned Yahya and Fazal – who were tortured. The detail of this torture is hair raising. Their property was seized and they were eliminated from the empire. Some historians claim that Jafar was murdered because he had secretly married the sister of Haroon Rasheed. However, according to researchers, this is no more than a concocted story. The reasons for the execution of Jafar and the downfall of Bramka were those that we had mentioned earlier and Ibne Khaldun has related them in detail in his history book.

Bramka vanished. They were not successful in reviving the Iranian empire but they were highly successful in the objectives for which they had come. They turned the Arab empire of the Abbasis into an Iranian one, their society was turned into non-Arabic and turned their religion (Islam) into Ajami. (Later on we will see that Islam which was preached after that was Ajami Islam, not the one brought by Mohammad (PBUH) (or the Deen of God).

Abu Muslim was the first in this chain. He inducted Iranian volunteers into the Abbasi army which made the military power into non-Arab. He enlisted Khalid Barmaka in his army and got access to the Abbasi court on his recommendation. During the premiership he recruited all Iranian army in Khorasan province. The number of this army was not less than 500,000. Moreover Iranian (Bramka) had occupied all key positions in the empire. Iranian officers were appointed in the treasuries in the capital and provinces. Therefore, even Khalifa Haroon Rasheed was not able to spend a single penny without the permission of Yahya.

When (Imam) Mohammad Ben Ali Abbas died, Abu Muslim made the army uniform black to mourn the death of the Imam. The standard of the empire was also given black color. (Imam) Ibrahim Abbasi along with his family wore black dress from that day. Abbasis made the black dress their symbol. As we wrote earlier that the black dress and black standard were made the traditional symbol of the expected liberator and the success of Abu Muslim. (Just imagine how shrewd this person was). In this way Abu Muslim turned Abbasi's symbol into Iranian color and Bramka transformed their psyche into Ajami one. In this way the whole society was given the same color. Iranian Nauroz celebrations began in the Abbasi empire during the premiership of Khalid, while Jafar Barmaki introduced the Meherjan celebration. These two celebrations were the eids of Zoroastrians.

(In Iran still Jashne Nauroz is celebrated.) In Muslim countries the observance of Shab-e-Barat with fire works refreshes the memories of the fire temples of Bramka. Some historians say that the Bramka were Shia but the Shia historians do not accept this claim. As a matter of fact it is wrong to categorize them as Shia or Sunni. They had embraced Islam but Magianism was deeply ingrained in their hearts. They popularized the ancient Iranian religious beliefs and ideas under the guise of Islam and this was their actual objective.

Fatemeen or Fatimides of Egypt

The tale of the Abbasis is still very long and their downfall at the hands of Iranians is still far. At this point, we will pause to take a look at the activities of the Alwis and Faemeen (Fatimides) in Egypt. From time to time, they used to revolt against the Abbasis, according to their own methods. According to the historical research, they unsuccessfully revolted 62 times against the incumbent government between 138 AH and 358 AH. (Ref: "More Research about the Khilafat of Muawiyya and Yazeed" by Mahmood Ahmed Abbasi).

Only one of their group was able to establish its government known as Fatemeen. Its first Khalifa established his independent government in Rafada (North Africa) in 297 AH. He belonged to the Shia Sect of Ismaelis. His government was confined to North Africa till 385 AH. Later on he conquered Syria and Egypt, because of this it was called the Fatemeen State of Egypt. They ruled with great pomp and show and played a significant role in propagating Ismaeli Shia religion. For this purpose they built a huge mosque that was named Jama Azhar. This mosque was actually the center of this sect. (Jama Azhar is still functioning in Egypt but it is now a university of Sunnis). This government gradually became weak because of internal rifts which reached at its climax when the crusades began. Instead of confronting the crusaders along with other Muslim governments, they joined the crusaders. The Fatemeen government ended when Salahuddin Ayubi defeated the crusaders. It became part of the Abbasi empire in 567 AH. Most historians say that it was not appropriate for the Fatimide rulers to call themselves as such because the founder of this kingdom was Abdullah Ben Mamoon Al Qaddah who was an atheist from Iran. In public he used to show allegiance to the Ismaeli Imam, Mohammad Ben Ismael. He declared himself Fatimide and established an independent state. Other historians say that his Farimide ancestry was legitimate. This discussion is not our subject matter. Our objective is to show what kind of conspiracies were hatched against the Abbasis and which were successful. It does not affect our objective if any conspiracy was of Iranian origin directly or indirectly. Even if Qaddah (Iranian) was not Fatimide but no doubt he played a great role in the success of Fatimides.

Let us now return to Baghdad. We were discussing that first Abu Muslim and later Bramka made the Abbasi made the Abbasi empire a center of Iranian beliefs and ideas.

(To be Continued)

xxxxxxxxxxxxxxx

QURANIC LECTURES IN *SOUTH KOREA*

DARS-E-QURAN IN URDU

ALLAMA PARWEZ (R.A)

MAFHUM-AL-QURAN RESEARCH CENTER

Walge: Dong Building No. 894-7, 2nd Floor,
Gwan San-Gu, Gwangju City (062),
Jeollanam-Do, SOUTH KOREA

2nd Saturday of the Month 11 PM

Contact: **Sahibzada Anwaar-ul-Haq Wafa**
21 Century Environment Factory No.1036,
Dong-Myeon Agro Industrial Complex,
Hwasun (061), Jeollanam-Do, South Korea.

Hand Phone No. 0082-010-9294-2414

Fax: 0082-062-972-5135

E-mail: wafa_korea@yahoo.co.in

BAZM-E-TOLU-E-ISLAM SOUTH KOREA

Islam-as I understand

In the Light of the Quran

By Bashir Ahmed Abid

==========

What is Islam? Apparently, it looks pretty odd to raise this question after 1500 years of the advent of Islam because by now its answer should be as plain and simple as this: "The religion that is followed by the Muslims is called Islam" but, unfortunately, this is not true. In fact, during this long period Islam has lost its virginity and pristine purity. The clergy had disfigured the divine beauty of its teachings and polluted them with their lowly desires. Islam that is followed presently by a billion Muslims all over the world is not the real Islam. It is as much corrupted, as are Judaism and Christianity -rather more. Hence, we need to redefine Islam.

The above noted definition of Islam is not enough because it does not answer many important questions. For example, it does not distinguish between Sunni and Shia - two major sects of Islam who, in their beliefs and practices, are pole apart. It should be remembered that sectarianism is strictly forbidden in Islam (3:105). Similarly, it does not answer why the Muslim nations have drawn strict geographical borders contrary to their Ideology, which teaches fraternity and the unity of Ummah? (49:10; 3:103).

Moreover, while reading Quran we find that the Muslim rulers are enjoined to run the state's affairs with the consent of their people, democratically (3:159). We also find that the rich Muslims in the society are enjoined to feed the poor (Combat Poverty) as a divine duty without seeking any reward or self-interest (76; 8-9). Ones wonder where are these noble values now? We do not see them being practiced in any Islamic Society. The rulers are worst kind of despots and the rich are worst kind of scrooges. Present version of Islam has no answer to these contradictions.

The question arises then where can we find the true Islam, which is free of contradictions? The answer is simple. The true Islam is in the Quran because it is this source alone where we can get true and perfect guidance (17:9). Let us see what it says about Islam.

The Quran says;

> *"Inn ad deena hind allah al islam"* - 'Al-Deen' before God is Islam..." (3:19)

Again it says;

> *"...al yoma akmaltu lakum deena kum wa atmamtu alaikum na'mati wa radheetu lakum Islama deena..."* - This day have I perfected your 'Deen' for you, completed My favour upon you, and have chosen for you Islam as your 'Deen'..." (5:4)

And again it says:

"Wa mann yabtaghi ghair-al-Islama deenan fa layn yuqbal minho wa howa fil akhera minnal khaserin" - If any one desires a 'Deen' other than Islam, never will it be accepted of him, and in the hereafter (also here) he will be in loss. (3:85)

These verses tell us that Islam is a 'Deen'. There could be many 'Deen' but Islam is the only acceptable 'Deen' with God. Moreover, Islam is a perfect 'Deen' whereas other 'Deen' are imperfect. Islam's Value System is for the benefit of whole mankind (2:62). Any nation, irrespective of race and religion, who adopts the Quranic value system in its true spirit would get due reward in the form of a prosperous and peaceful society; a society which would be free of all fears and grief (2:38).It is a system which benefits all human beings equally. Therefore, those who follow other 'Deen' instead of 'Deen-al-Islam' they would be, at the end of the day, in loss (3:85). Their efforts for establishing a welfare state and a peaceful society will not bear fruits.

No doubt, everyone knows that Islam is 'Al-Deen'. This is a simple fact. But, unfortunately, very few people have the true concept of 'Al-Deen'. The true concept of 'Al-Deen', as it should be, is in the Quran whereas what the clergy teaches about 'Al-Deen' is radically against the Quran. Paradoxical though it may sounds, but it is the truth. 'Al-Deen' is understood and practiced, everywhere as religion. The difference between religion and 'Al-Deen' lies in their outlook on life. Focal point of religion is life in the hereafter. It finds no solution to human problems in this world and delivers no material goods except to entice the votaries with 'Hoors' and 'Qasoors' in the hereafter. Contrarily, 'Al-Deen' encompasses life as an organic whole and gives a values system which ensures both a decent life in this world as well as in the hereafter (7:156). This concept of 'Al-Deen' (A State's System) is very clearly stated in the Quran. I will deliberate on a few verses for the sake of convenience as follow:

In Sura Yousef, we are told the story of prophet Joseph (as) and his brothers. He was appointed as governor of land resources by the king of Egypt. During an incident he wanted his younger brother to stay back because by the law of the king he could not take him. Quran narrated this incident as follow;

"...kazalika kidna le yousaf" - thus did We plan for Yousef - *"ma kana le yakhuza akhaho fi Deen Al-Malik..."* - he could not take his brother by the Law of the king. (12:76)

This verse gives us a crystal clear definition of 'Al-Deen'. In fact, 'al-Deen' is the Law of the Land whether it is given by a King 'Deen Al-Malik' or given by God Almighty 'Deen Allah'. It is not religion as such.

In some verses the word 'Al-Deen' is used for orderly functioning of various cosmic bodies and occurrence of natural phenomena. For example, in verse 9:36 after stating creation of the universe and number of months in a year it is said; *"Zalika Al-Deen ul Qayyem"*. In such verses the Quran is not referring to religion but to immutable Laws of nature (also see v.30:30).

This definition of 'Al-Deen', when applied to other verses, gives a much better understanding of the subject than religion. For instance, in verse (40:26) the Pharaoh, while inciting his people against Moses, said:

"...Inni akhafu unyubadil Deenakum..."- what I fear is lest he should change your 'Deen'.

Prophet Moses was struggling against Pharaoh for the liberation of Bani Israel (7:105). The importance of Bani Israel in the slave-based economy was obvious. They were the backbone. Their liberation meant not only the collapse of the economy but the whole system. So, when Pharaoh said; "lest he should change your 'Deen' he did not mean the change of religion. Bani Israel were not worshiping Pharaoh. Therefore, their liberation was not a threat to religion. Change of 'Deen' means change of law of the land. Pharaoh was afraid of this change. Moses was threatening his rule and authority. (See also v.7:110, 10:78, 28;19)

In Surah Tauba we come across the resistance offered by the 'Mushrikeen' to the newly formed Islamic State in Medina. Before the advent of Islam the power and economy of Medina was in the hands of 'Mushrikeen'. They considered Islam a great threat to their power and economy. Therefore, they used all tactics to destabilize the Islamic State. In this regard, Quran said:

"Howallazee arsala rasoolahu bil hudda wa Deen-al-Haqq le yuzheraho 'ala Deen-e-Kulleh walo Karehal Mushrikoon" - It is He Who has sent His messenger with Guidance and 'Deen-al-Haqq' to establish its supremacy over all 'Deen' even though the 'Mushrikeen' may detest it. (9:33)

We know that the Jews, the Christians and the Pagans of Arabia faced no threat to their religions from Islam. The Quran enjoins upon Muslims not to force anyone to change religion (2:256). Also, it enjoins on them not to insult the deities of other religions (6:108). On the contrary, Quran accepts the freedom of religion as a birth right of every individual (76:3) and give protection to various religion and their places of worship in the Islamic State (22:40). Therefore, it would be wrong to think that Muslims were there in Medina to change and dominate other religions. They were there to change oppressive laws and to end the exploitation of man by man. The Quran gives a values system, which is friendly to human beings and ensure peace and prosperity. In the above referred verse (9:33) 'Deen-al-Haqq does not mean the religion of truth but it clearly means The System of True Values i.e. The Quranic Value System.

The fact that 'Al-Deen' is a set of absolute values, which are essential for the foundations of a truely progressive and peaceful society, and that its relation with religion (if any) is merely a cultural issue, is more explicitly stated in the following verses.

The Quran opens with the praises of God Who nourishes everything in the universe (1:1). This nourishment of things takes place through a wondrous system, which consists of perfect and immutable laws. The biological development of man is similar to other living creatures and takes place under the same laws of nature. However, in some aspects the

creation of man is different among the living things (23:14). The most outstanding difference is that he posseses 'Nafs' which is, unlike biological body, indestructible if tended properly (91:7-10). The laws and values governing the development of human 'Nafs' are given in the Quran (4:49). These laws need implementation through a system in the society because these do not function, spontaneously, like physical laws in the universe. The period, during which this system is in power in the society, the Quran terms it 'Yom-ud-Deen'. The Quran says:

"Wa ma adraka ma Yom-ud-Deen" - And what will explain to thee what the 'yom-ud-Deen' is? (82:17)

"Thuma ma adraka ma Yom-ud-Deen" - Again, what will explain to thee what 'Yom-ud-Deen' is ? (82:18)

"Yoma la tamleku nafsun le nafsen shai ah wal amro yomaizen lilah" - It will be the day when no person shall have any power over another; And, the command, that day will be wholly with God. (82:19)

Accordingly, 'Al-Deen' is something, which is concerned with power and command in the society. It is a system. It is not a religion because religion does not hold power and command in the society. The primary subject of religion is man's spiritual life and morality. It concerns itself with problems of life after death. It does not interfere with the political system or socio-economic system in the society; nor it offers any solution to problems facing man due to wrong systems in this world. On the contrary, the primary objective of 'Al-Deen' is to establish itself firmly in the land and to ensure a systematic provision of socio-economic justice for every individual.(40:17). It puts an end to exploitation of man by man and makes certain that every individual must get full reward of his labor (20:15). It promote fraternal cooperation in the society as an article of Faith (Eeman) and provide equal opportunity to everyone for the development of his specific abilities and enable him to play a better role in the growth of economy and culture (3:200;16:71).

The fact that 'Al-Deen' is not a religion and that it is a very wrong and damaging notion of 'Al-Deen' is explicitly explained in the above discourse. We cannot say at this moment (1500-years after the birth of Islam) as to who had defined 'Al-Deen' as religion? Also, we cannot blame whether he was a naive friend or a clever enemy of Islam? Nor, it would be of any help in solving the problems, which the Muslim Ummah is suffering due to wrong understanding of 'Al-Deen' today. However, we can argue that the one who had defined 'Al-Deen' as religion; surely he had given a fatal blow to its progressive and forebearing characteristics. He had opened the darkest chapter in the history of 'al-Deen', which was later used by the privileged classes and religious fanatics to gain self-interests against the interest of common man.

It may not be important to know what people had brought this fatal change, but certainly, it is essential to analyze and understand the way as to how it had been accomplished?

Although, to convert a dynamic and pragmatic system (Al-Deen) into dead ritual and dogmas was an impossible task but thanks to the Arabic language they (the clergy) have done it, easily.

We know that Arabic is a rich and meaningful language. Its vocabulary is so deep, solid, and comprehensive that it can serve the intellectual needs of all classes in the society and it can meet the linguistic challenges in all stages of development of human knowledge and culture. The root meanings of its words are wide and extensive. These can be used to convey simple thoughts as well as highly developed concepts with utmost clarity. This property is unique to Arabic language and keeps the system dynamic and progressive. The system can review and discard obsolete ideas and worn out practices without problem and replace them with fresh thoughts and ideas. This language was the right choice to descend the final Divine Message for the guidance of humankind.

Unfortunately, the religious scholars did not use this property of Arabic for the benefits of the system. Instead of, benefiting the system, they exploited this property in their own interest and in the interest of privileged classes (the rulers and the rich). It is a well-known fact that the meanings of words and concepts have profound effect on human attitude and behavior. For example, when a child asks for a car you don't go to the cars showroom. You understand the childish language. So, you go straight to a toys shop and get him a beautiful limousine. What they did is that they simply changed the meaning of words and the rest is taken care of by itself. Pick up any translation or interpretation, you will find, even at a sketchy look, that they assigned the simplest meaning to some of the most important terminologies and major concepts in the Quran.

The meanings assigned to the language of Quran by religious scholars were quite childish. It was the language of a great system 'Al-Deen Al-Islam' which was meant to produce a class of noble, brave and magnanimous people – a people who cares more for others than themselves (59:9). But with the change in meanings the lofty ideals of 'Al-Deen' were reduced to frivolous ritual and beliefs followed by a class of people who are self-centered, intolerant, parochial, and devoid of vision. Indeed, it was a great tragedy not for Muslims alone but for the whole humankind. A few references from the Quran would be enough to understand what the hell they have done?

THE CONCEPT OF RECITATION

God says; "We have sent this Quran in a clear language so that you can use your intellect in its light" (12:2). Also He says; "We have sent among you a messenger to educate you in divine knowledge and wisdom and let your talents grow and develop". (2;151;16:44). Accordingly, it was important for every Muslim to learn Quran and know its values and principles in order to live a successful life. The Quran should have been taught in schools like other subjects in the syllabus. But the religious scholars ignored the clear lesson in these verses and came up with the concept of recitation (Talawat-e-Quran). They thought that learning of the Quran is the job of scholars and as far as masses are concerned, it is a matter of 'Thawab'(Reward in the hereafter) for them. They will get the reward if they

read or listen to the Quran even without understanding it. This deadly concept alienated the Muslims from the Quran. Although, it increased their emotional attachment but they could not develop intellectual relation with the Quran. Thus, the Quran, which was sent to bring out the people from the darknesses of ignorance into the light of knowledge, turned into a religious book for earning 'Thawab'. Being thus alienated from the Quran, Muslims needed something to do in the name of 'Al-Deen'. The clergy found a cure for this and came up with another deadly concept - the concept of 5-pillars.

THE CONCEPT OF 5-PILLARS

The Quran enjoins upon Muslims to follow 'Al-Deen' as a whole from A-Z, whole-heartedly (2:208). Its every command (Amer) is important. When it says; "Don't enter a house without permission" (24:27); it is as much important as when it says; "Don't kill a person except by the law" (6:151). It was an absolutely right thinking and a great vision. God has sent 'Al-Deen' to function as a system covering all aspects of life. While the success of religion depends on how craftily it fascinates people with charms of life in the hereafter, the credibility and truthfulness of a system depends upon the accomplished results and no system produces results unless it is implemented exclusively. People living under a system want their problems to be solved here in this world. But the religious scholars changed this great vision. They came up with their own thinking - the concept of 5-pillars. They said that there are 5-basic and most important pillars of Islam. These are; "Kalima, Salat, Saum, Zakat, and Hajj". Whosoever follows these with due sincerity he is a good and righteous Muslims.

This non-Quranic distinction in the Quranic commandments had a great psychological impact on the Muslims' mind. They started, unconsciously, paying more attention to these 5-pillars than rest of the Quran. They performed them as an obligation to earn 'Thawab' for salvation in the hereafter without having, even a slightest idea that these pillars are part of a great system. Due to this change in the attitude of Muslims, there occurred a polarization in the society. Those who performed the 5-pillars with regularity came to be known as 'Deendar' (religious) and those who performed them occasionally they came to be known as 'Duniyadar' (secular). The rulers and the rich used this polarization for their own benefit. They took over the control of secular affairs and managed them according to their own desires and interests. The religious affairs left to be managed by the 'Mullahs' according to their own desires and interests. Both of them threw away the Quran behind their backs. This polarization still exists in the present day societies. 'Al-Deen' has ceased to function as system. It is now practiced everywhere as religion.

There was no justification for short-listing the 5-pillars and laying un-wanted emphasis on recitation (reading and listening to the Quran without comprehension). These concepts were absolutely against the clear teachings of the Quran as well as against the spirit of 'Al-Deen Al-Islam'. The scholars of Bani Israel committed same mistake with the Book of God and earned His Wrath. They shredded the Book into pieces; showing little and

concealing most of its contents (6:91). God warned the Muslims not to repeat this mistake again in the following verses;

"And say, I am indeed he that warns openly and without ambiguity. (Of just such wrath) As We sent down on those who divided (the scripture into arbitrary parts). (So also on such) As have made Quran into shreds (as they please). Therefore, by the Lord, We will, of surety, call them to account, for all their deeds". (15:89-93)

While the concept of recitation alienated the masses from the Quran the concept of 5-pillars alienated them from 'Al-Deen' as a system. These two concepts have gradually transformed 'Al-Deen' into a religion. The concept of 'Al-Deen' went first, out of sight and then out of mind. The domain of the Quran which during the time of the prophet (pbuh) and the righteous caliphs extended to the whole life got divided between the rulers and the priests. Henceforth, the rulers developed their own insight and ways of ruling the Muslims masses while the clergy developed their own terminology and methods of practicing 'Al-Deen'.

TERMINOLOGY OF THE QURAN CHANGED

The bifurcation of 'Al-Deen' into state affairs and religious affairs necessitated a new meaning to the Quran. The language of the Quran does not support religion because it is the language of a system based on reason (4:174;7:52) whereas all religions are based on ignorance and deception. The religious scholars used the same foundations for converting 'Al-Deen' into a religion. Reading and listening the Quran without comprehension, as discussed above, have sent down the masses deep into the sea of ignorance and concentrating on 5-pillars out of whole corpus of the Quranic injunctions have put them into a great deception. 'Al-Deen' became synonymous with religion. The terminology of the Quran is given new meanings to meet the requirements of religion. We will deliberate some of these as follow;

MEANING OF THE CREED CHANGED

The creed of a system is very important because it describes the whole philosophy of the system in a nutshell. People keep it on the tip of the tongue and remain conscious of their obligations within the system. The success of the sytem depends on how better the people understand their creed and how faithfully they follow it. A slight change in the meaning of the creed causes a radical change in masses' behavior and outlook. The creed of 'Al-Deen' is *"La illaha illalah"*.

The Arabic word 'illah' is very meaningful. Its root meanings imply power, command, respect and obedience. It is used in the Quran in various contexts. In verse (71:23) it refers to pagans' deities. In verse (25:43) it refers to human desires. And, in verse (26:29) it refers to the rule of Pharaoh. Although, these look different contexts but the root meaning of 'illah' is implied to all in various shades. Whether these are deities or human desires or human beings themselves, when they act as an 'illah', they rule hearts and minds of people and win their allegiance.

The creed *'la illaha illalah'* is the basis of 'Al-Deen'. Its correct understanding is very important because it determines the status of 'Al-Deen'in the society. If it is understood; "There is no god worthy of worship but God alone" then 'Al-Deen' fell down to a level as low as of a religion. Firstly, the concept of worship is related to religion alone. And secondly, comparing gods with God is similar to comparing a religion with a religion. On the contrary, if it is understood; "There is no ruler worthy of obedience and respect but God alone" then 'al-Deen' ascend to the level of a powerful system because now the objective is not worship but obedience of law and the comparison is not between God and deities but the rulers.

The religious scholars (for reasons best known to them) took the concept of worship and put all their efforts to inculcate the masses that *'La illah illalah'* means; "None is worthy of worship except God". They condemned the worship of deities as 'shirk'. Consequently, the masses developed strong hatred for idol worship. They smashed them wherever they found them and focused all their attention to the worship of God alone. The concept of God's rule vanished from their mind. They did not mind who rules them but they never tolerated idols. They blasted them even if these are found in the desolate mountains of Bamiyan (Afghanistan).

(To be continued)

==========